

MAKTABA TUL HADITH HAZRO

By Alhadith at 4:20:04 AM, 4/11/2015

نضر الله امرأ سمع منا حديثاً فحفظه حتى يبلغه

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الله قول الحق

الحديث

ماضيه

حضرو

73

جمادی الثانیہ ۱۴۳۱ھ جون ۲۰۱۰ء

ملیر:

حافظ زبیر زئی

صوفیاء کا ”خاتم الاولیاء“ والا نظریہ باطل ہے

حق چھپانا اور دنیا کے لئے علم کا حصول؟

امام یحییٰ بن معین اور توشیح ابی حنیفہ؟

جماعت المسلمین (رجز) کے چند اصول...

حافظ ابن الجوزی اور تقلید کا رد

مکتبہ الحدیث

حضرو، انک: پاکستان

www.ishaatulhadith.com

http://www.facebook.com/maktabahtulhadith

maktabahtulhadith@gmail.com, ishaatulhadith@gmail.com

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مدیر

حافظ زبیر علی زئی

معاونین

حافظ ندیم ظہیر
ابو خالد شاکر
محمد اعظم
ابو جابر عبداللہ دامانوی

اس
شمارے میں

2	عقائد میرٹلی	کلمۃ الحدیث
3	عقائد میرٹلی	فقہ الحدیث
7	عقائد میرٹلی	توضیح الاحکام
(قلمبرہ ماہی)		
ختم نبوت کی احادیث صحیحہ پر قادیانیوں کے حملے اور...		
20	عقائد میرٹلی	جماعت المسلمین (رجسٹرڈ) کے چند اصول...
33	محمد صدیق رضا	

حافظ ابن الجوزی اور تقلید کا رد

49 ایوم جاؤ

اللہ تبارک و تعالیٰ احسن الحدیث

الحديث

ماہنامہ

نضر اللہ امرأ سمع منا حديثاً فحفظه حتى يبلغه

جلد: 7 | جمادی الثانیہ ۱۴۳۱ھ | جون ۲۰۱۰ء | شمارہ: 6

قیمت

فی شمارہ: 20 روپے
سالانہ: 200 روپے
علاوہ محصول ڈاک
پاکستان: مع محصول ڈاک
300 روپے

خط کتابت

مکتبۃ الحدیث
حضرت ضلع ایک

نشر حافظ شیر محمد
0300-5288783

مقام اشاعت

مکتبۃ الحدیث
حضرت ضلع ایک

برائے رابطہ

0302-5756937

حافظ زبیر علی زئی

کلمۃ الحدیث

صوفیاء کا ”خاتم الاولیاء“ والا نظریہ باطل ہے

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا: ”اور اسی طرح ”خاتم الاولیاء“ کا لفظ باطل ہے، اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ اسے سب سے پہلے محمد بن علی الحکیم الترمذی نے ذکر کیا اور ایک گروہ نے اسے چڑا کر اپنالیا، ان میں سے ہر شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہی خاتم الاولیاء ہے جیسے ابن حمویہ، ابن عربی اور دمشق وغیرہ کے بعض گمراہ پیر، جن میں سے ہر شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ بعض وجہ سے نبی ﷺ سے افضل ہے (!) اور اس طرح کے دوسرے کفر اور بہتان کا دعویٰ کرتا ہے، ان سب باتوں میں اُن کو لالچ یہ ہے کہ وہ خاتم الانبیاء تو نہ بن سکے لہذا خاتم الاولیاء کی ریاست انھیں مل جائے۔ یہ سب غلط ہیں کیونکہ خاتم الانبیاء (یعنی محمد رسول اللہ ﷺ آخر النبیین) تو دلائل کی وجہ سے افضل ہیں اور خاتم الاولیاء کے افضل ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔ بے شک اس امت کے اولیاء میں سے مہاجرین اور انصار کے السابقون الاولون سب سے افضل ہیں۔ نبی کے بعد اس امت میں سب سے افضل ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں، پھر عمر رضی اللہ عنہ ہیں، پھر عثمان رضی اللہ عنہ ہیں، پھر علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس امت کی صدیوں میں سب سے بہترین وہ صدی ہے جس میں نبی ﷺ مبعوث ہوئے پھر وہ جو اُن کے قریب ہیں (یعنی تابعین) پھر وہ جو اُن کے قریب ہیں (یعنی تبع تابعین)۔

خاتم الاولیاء تو حقیقت میں وہ آخری مومن ہے جو (قیامت سے پہلے) لوگوں میں ہو گا اور وہ سب اولیاء میں سے بہتر اور افضل نہیں ہے بلکہ سب سے بہتر اور سب سے افضل (ولی) ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ ہیں پھر عمر رضی اللہ عنہ ہیں، جن دونوں سے افضل پر نبیوں اور رسولوں کے بعد سورج طلوع اور غروب نہیں ہوا۔ (مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۱۱ ص ۴۴۴)

ملا علی قاری حنفی نے حافظ ابن تیمیہ اور حافظ ابن القیم دونوں کے بارے میں کہا:

وہ دونوں اہل سنت والجماعت کے اکابر ہیں سے اور اس امت کے اولیاء میں سے تھے۔

(جمع الوسائل فی شرح الشماں ج ۱ ص ۲۰۷)

حافظ زبیر علی زئی

فقہ الحدیث

حق چھپانا اور دنیا کے لئے علم کا حصول؟

(۲۲۳-۲۲۴) وعن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ: ((من سئل عن علم علمه ثم كتبه، ألجم يوم القيامة بلجام من نار.)) رواه أحمد و أبو داود والترمذي. ورواه ابن ماجه عن أنس . اور (سیدنا) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص سے کسی علم کے بارے پوچھا جائے، جسے وہ جانتا تھا پھر وہ اُسے چھپالے تو قیامت کے دن اُسے آگ کی لگام پہنائی جائے گی۔ اسے احمد (۲۶۱۳/۲ ح ۷۵۶۱، ۲/۳۰۵ ح ۸۰۳۵) ابو داود (۳۶۵۸) اور ترمذی (۲۶۴۹) نے روایت کیا ہے۔

اور اسے ابن ماجہ (۲۶۴) نے (سیدنا) انس (بن مالک رضی اللہ عنہ) سے روایت کیا ہے۔
تحقیق الحدیث: یہ حدیث حسن ہے۔

اسے ترمذی نے حسن، ابن حبان (الاحسان: ۹۵) حاکم (۱۰۱/۱ ح ۳۴۴) اور ذہبی نے صحیح قرار دیا۔ عطاء بن ابی رباح کی اس روایت میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ان کے سماع میں کلام ہے، اگرچہ مستدرک الحاکم میں قاسم بن محمد بن حماد کی روایت میں اُن کے سماع کی تصریح موجود ہے۔

قاسم بن محمد الدلال پر تین محدثین نے جرح کی اور تین نے توثیق کی! صحیح ابن حبان (الاحسان: ۹۶) اور المستدرک للحاکم (۱۰۲/۱ ح ۳۴۶) صحیح (وغیرہما میں اس کا حسن لذاتہ شاہد: ((من كتّم علماً ألجمه الله يوم القيامة بلجام من نار.)) موجود ہے، جس کے ساتھ یہ حسن ہے۔ والحمد للہ

فقہ الحدیث: ① حق چھپانا حرام ہے۔

② دوسرے دلائل سے ثابت ہے کہ اگر کوئی شرعی عذر ہو تو علم کی بعض باتیں عام لوگوں

کے سامنے ظاہر نہ کرنا بھی جائز ہے۔ مثلاً:

۱: نبی ﷺ نے سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو ایک بات بتائی پھر اُسے لوگوں کو بتانے سے منع کر دیا تھا تا کہ کہیں لوگ اسی پر بھروسہ نہ کر بیٹھیں۔

دیکھئے صحیح بخاری (۱۲۸-۱۲۹) اور صحیح مسلم (۳۲)

۲: سیدنا ابوبکر الصديق رضی اللہ عنہ کو ایک خواب کی تعبیر میں کچھ غلطی لگی تھی، جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((أَصَبْتَ بَعْضًا وَأَخْطَأْتَ بَعْضًا)) تمھاری بعض باتیں صحیح ہیں اور بعض میں غلطی لگی ہے۔

ابوبکر الصديق رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! آپ مجھے ضرور بتائیں کہ مجھے کیا غلطی لگی ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: قسم نہ کھاؤ۔ (صحیح بخاری: ۷۰۴۶، صحیح مسلم: ۲۲۶۹)

یعنی آپ نے وہ غلطی انھیں نہ بتائی لہذا اگر کوئی عذر ہو یا فساد وغیرہ کا ڈر ہو تو بعض باتیں نہ بتانا بھی جائز ہے لیکن اہم موقع اور ضروری بیان کے وقت علم کی بات چھپانا جائز نہیں بلکہ کتمان حق ہونے کی وجہ سے حرام ہے۔

۳: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے ایک علم (جس کا تعلق سیاسی امور سے تھا) بتایا تھا، جسے انھوں نے لوگوں کے سامنے بیان نہیں کیا۔ (دیکھئے صحیح بخاری: ۱۲۰)

③ سنن ابن ماجہ (۲۶۴) والی روایت کی سند یوسف بن ابراہیم کی وجہ سے ضعیف ہے لیکن صحیح ابن حبان (۹۶) والے مذکورہ حسن شہد کی وجہ سے یہ روایت بھی حسن ہے۔

۲۲۵-۲۲۶) وعن كعب بن مالك قال قال رسول الله ﷺ: ((من طلب العلم ليحاري به العلماء أو ليماري به السفهاء أو يصرف به وجوه الناس إليه أدخله الله النار.)) رواه الترمذي. ورواه ابن ماجه عن ابن عمر.

اور (سیدنا) کعب بن مالک (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص علماء پر فخر کرنے، یا بیوقوفوں سے جھگڑا کرنے، یا لوگوں کے چہرے اپنی طرف پھرنے کے لئے علم حاصل کرے تو اللہ تعالیٰ اُسے آگ میں داخل کرے گا۔ اسے ترمذی (۲۶۵۴) نے

روایت کیا ہے۔ اور ابن ماجہ (۲۵۳) نے (سیدنا) ابن عمر (رضی اللہ عنہ) سے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: یہ روایت اپنی تمام سندوں کے ساتھ ضعیف ہے۔

سنن ترمذی والی روایت میں اسحاق بن یحییٰ بن طلحہ بن عبید اللہ القرشی التیمی ضعیف ہے۔

(دیکھئے تقریب التہذیب: ۳۹۰)

امام ترمذی نے اسی مقام پر فرمایا: یہ حدیث غریب ہے... اور اسحاق بن یحییٰ بن طلحہ اُن

(محدثین) کے نزدیک القوی نہیں ہے، اُس کے حافظے کے بارے میں کلام کیا گیا ہے۔

(جامع ترمذی ص ۵۹۸ تحقیق الالبانی)

اُس پر امام احمد بن حنبل وغیرہ نے شدید جرح کی ہے۔

سنن ابن ماجہ (۲۵۳) والی روایت میں حماد بن عبد الرحمن ضعیف (تقریب التہذیب:

۱۵۰۲) اور ابوکرب الازدی مجہول ہے۔ (تقریب التہذیب: ۸۳۲۶)

سنن ابن ماجہ (۲۵۴) وغیرہ میں ابن جریج عن ابی الزبیر عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی سند

سے آیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”لا تعلموا العلم لتباہوا به العلماء ولا لتماروا

به السفهاء ولا تخيروا به المجالس فمن فعل ذلك فالنار النار۔“

اس کی سند ابن جریج اور ابوالزبیر و دوسلوں کے عن عن کی وجہ سے ضعیف ہے۔

سنن ابن ماجہ میں ہی سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”لا تعلموا العلم لتباہوا به العلماء أو لتماروا به السفهاء أو لتصرفوا وجوه

الناس إليكم فمن فعل ذلك فهو في النار۔“ (۲۵۹ج)

اس روایت کی سند میں بشیر بن میمون: متروک متہم (تقریب التہذیب: ۲۵۹)

اور اشعث بن سوار ضعیف ہے۔ (دیکھئے تقریب التہذیب: ۵۲۴)

سنن ابن ماجہ کی ایک اور روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”من تعلم العلم ليباهي به العلماء و يجاري به السفهاء و يصرف به وجوه

الناس إليه أدخله الله جهنم۔“ (۲۶۰ج)

اس کی سند میں عبداللہ بن سعید بن ابی سعید المقبری: متروک ہے۔ (تقریب التہذیب: ۳۳۵۶) شیخ البانی رحمہ اللہ نے ضعیف روایات کو جمع کر کے اس روایت کو حسن قرار دیا ہے، حالانکہ یہ حسن نہیں بنتی بلکہ ضعیف ہی ہے۔

فائدہ: آنے والی حدیث (۲۲۷) اس ضعیف روایت سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ واللہ
(۲۲۷) وعن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ :
((من تعلم علماً مما يتبعي به وجه الله لا يتعلمه إلا ليصيب به عرضاً من
الدنيا لم يجد عرف الجنة يوم القيامة .)) يعني ربحها .

رواه أحمد و أبو داود و ابن ماجه .

اور (سیدنا) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص وہ علم حاصل کرے جو صرف اللہ کی رضا مندی کے لئے ہی حاصل کیا جاتا ہے، وہ اسے دنیاوی مقصد حاصل کرنے کے لئے سیکھے تو قیامت کے دن جنت کی خوشبو نہیں سونگھے گا۔ اسے احمد (۳۳۸/۲ ح ۸۴۳۸) ابو داود (۳۶۶۴) اور ابن ماجہ (۲۵۲) نے روایت کیا ہے۔
تحقیق الحديث: اس کی سند حسن لذاتہ ہے۔ اسے ابن حبان (الاحسان: ۷۸، الموارد: ۸۹) اور حاکم (۸۵/۱ ح ۲۸۸) نے صحیح قرار دیا ہے۔

فقہ الحديث:

- ۱: نیکی کا ہر کام بالخصوص دینی علم حاصل کرنے کے لئے خلوص نیت ضروری ہے۔
- ۲: اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے۔
- ۳: دنیاوی علوم دنیاوی مقاصد کے لئے حاصل کرنا جائز ہے، بشرطیکہ اُن کی ممانعت کسی شرعی دلیل سے ثابت نہ ہو مثلاً نجومیوں کا علم سیکھنا جائز نہیں، الا یہ کہ کوئی عالم اور صحیح العقیدہ شخص اُن کا رد کرنے کے لئے اُن کی کتابوں کا مطالعہ کرے۔
- ۴: اس حدیث میں ممانعت سے اس طرف اشارہ ہے کہ اُمت میں بعض ایسے بد نصیب لوگ ہوں گے جو دنیا حاصل کرنے کے لئے دینی علوم پڑھیں گے۔

حافظ زبیر علی زئی

توضیح الاحکام

امام یحییٰ بن معین اور توثیق ابی حنیفہ؟

سوال کیا یہ ثابت ہے کہ امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے امام ابو حنیفہ کو ثقہ یا

صدوق قرار دیا تھا؟ تحقیق کر کے جواب دیں۔ جزاکم اللہ خیراً (ایک سائل)

جواب ہمارے علم کے مطابق امام یحییٰ بن معین البغدادی رحمہ اللہ کی طرف

منسوب توثیق ابی حنیفہ والی تمام روایات کی تحقیق درج ذیل ہے:

۱) امام ابو زکریا یحییٰ بن معین سے پوچھا گیا: کیا ابو حنیفہ حدیث میں سچ بولتے تھے؟

انھوں نے کہا: ”نعم صدوق“ جی ہاں! سچے تھے۔

(جامع بیان العلم وفضلہ لابن عبد البر ج ۲ ص ۱۴۹، مقام ابی حنیفہ از سرفراز خان صفدر دیوبندی ص ۱۲۸)

یہ روایت تین وجہ سے مردود بلکہ موضوع ہے:

اول: اس کا راوی محمد بن الحسین الازدی ضعیف و مجروح ہے۔

دیکھئے تاریخ بغداد (ج ۲ ص ۲۴۴ تا ۷۰۹)

حافظ ابن حجر نے کہا: اور ازدی ضعیف ہے۔ الخ (ہدی الساری ص ۳۸۶ ترجمہ احمد بن شیبہ)

دوم: ازدی سے امام ابن معین تک سندنا معلوم ہے لہذا یہ روایت منقطع و بے سند ہے۔

سوم: حافظ ابن عبد البر سے ازدی تک سندنا معلوم ہے۔

نیز دیکھئے ایک سوال کے جواب میں میرا مضمون: سرفراز خان صفدر کا علمی و تحقیقی

مقام؟ روایت نمبر ۹ (الحديث حضور: ۷۲ ص ۲۲)

۲) احمد بن محمد البغدادی سے روایت ہے کہ (امام) یحییٰ بن معین نے ابو حنیفہ کے بارے

میں کہا: وہ عادل اور ثقہ تھے، جن کی تعدیل ابن المبارک اور وکیع کریں، اُس کے بارے

میں تمھارا کیا خیال ہے؟ (مناقب کردی ج ۱ ص ۹۱، مقام ابی حنیفہ ص ۱۲۸)

یہ روایت کردری (متوفی ۸۲۷ھ) نے کسی ”امام“ (؟) نسفی سے بغیر سند کے ذکر کی ہے اور نسفی سے لے کر احمد بن محمد البغدادی تک سند حذف کر دی ہے۔

احمد بن محمد البغدادی کون تھا؟ یہ بھی (برمودا تکون کی طرح) رازوں میں سے ایک راز ہے۔ ان تین علتوں اور مخالفتِ ثقافت کی وجہ سے یہ روایت مردود ہے۔

۳) احمد نامی کسی شخص سے روایت ہے کہ یحییٰ بن معین سے ابو حنیفہ کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا وہ حدیث میں ثقہ تھے؟ تو انھوں نے کہا: ہاں ثقہ تھے، ثقہ تھے، اللہ کی قسم ان کی شان اس سے بہت بلند و بالا تھی کہ وہ جھوٹ بولتے۔

(مناقب موفق المعزلی ج ۱ ص ۱۹۲، مناقب کردری ج ۱ ص ۲۲۰، مقام ابی حنیفہ ص ۱۲۹)

مناقب موفق کا پہلا راوی موفق بن احمد معزلی تھا۔ دیکھئے مناقب الکردری (ج ۱ ص ۸۸) نیز یہ رافضی بھی تھا۔ اس کی توثیق کسی قابلِ اعتماد محدث سے ثابت نہیں ہے۔

اس کا استاد ابو الحسن علی بن الحسین الغزنوی تشیع کی طرف مائل (یعنی شیعہ) تھا۔ دیکھئے المنتظم لابن الجوزی (۱۰۹/۱۸، وفیات ۵۵۱ھ) اور سیر اعلام النبلاء (۲۰/۳۲۵) غزنوی کا استاد حسین بن محمد بن خسرو البلیخی معزلی تھا۔

(دیکھئے میزان الاعتدال ۵۴۸/۱-۵۴۷، ۲۰۵۵، اور لسان المیزان ۳۱۲/۲)

یہ ضعیف اور حاطب لیل بھی تھا۔ دیکھئے لسان المیزان (۳۱۲/۲)، دوسرا نسخہ ۵۷۸/۲ (۵۷۸/۲) کسی معتبر و مستند محدث سے اس کی توثیق ثابت نہیں ہے۔

ابن خسرو کا استاد ابو منصور اشجی نامعلوم ہے۔

اشجی کا استاد ابو القاسم التتوخی (علی بن الحسن بن علی) البصری البغدادی: معزلی اور رافضی تھا۔ دیکھئے سیر اعلام النبلاء (۶۵۰/۱۷-۶۴۰)

ابو القاسم التتوخی کے باپ محسن بن علی بن محمد بن ابی الفہم نے یہ روایت کسی ابو بکر سے بیان کی، جو غیر متعین ہے۔

ابو بکر نے یہ روایت احمد نامی شخص سے بیان کی جو کہ سراسر غیر متعین ہے اور اگر اس

سے احمد بن محمد البغدادی مراد لیا جائے تو وہ مجہول تھا جیسا کہ نمبر ۲ کی تحقیق میں گزر چکا ہے۔
معلوم ہوا کہ یہ ساری سند ظلمات اور گمراہوں کی وجہ سے موضوع ہے۔
کردری نے یہ روایت بغیر سند کے مرغینانی غزنوی (علی بن الحسین/شیعہ) سے اوپر والی
سند حذف کر کے بیان کی، جس پر تبصرہ اوپر گزر چکا ہے۔ ضعف الطالب والمطلوب
آل دیوبند کی جرأت پر حیرت ہے کہ وہ کس طرح ایسی موضوع، بے اصل اور مردود روایات
چن چن کر بطور حجت پیش کرتے ہیں؟!
معترلیوں اور رافضیوں کی روایات کے دروازے بھی ان لوگوں کے لئے دن رات
کھلے ہوئے ہیں۔ سبحان اللہ!

(۴) محمد بن سعد العوفی سے روایت ہے کہ یحییٰ بن معین نے کہا:
ابو حنیفہ ثقہ تھے، وہ صرف وہی حدیث بیان کرتے تھے جو ان کو یاد ہوتی تھی اور جو
حدیث ان کو یاد نہ ہوتی تھی تو وہ اس کو بیان نہیں کرتے تھے۔
(تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۲۱۹ طبع مصر، دوسرا نسخہ ص ۲۲۹، مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۸۱، مقام ابی حنیفہ ص ۱۲۹)
مقدمہ تحفۃ الاحوذی (ص ۸۱) میں یہ روایت بحوالہ تہذیب التہذیب منقول ہے اور
تہذیب التہذیب (ج ۱۰ ص ۲۵۷-۲۵۸) میں یہ روایت بغیر کسی سند کے محمد بن سعد
العوفی سے مذکور ہے۔ تہذیب الکمال للمزی (ج ۷ ص ۳۴۰) میں بھی یہ قول بے سند ہے۔
تاریخ بغداد میں اس کی مکمل سند مذکور ہے، جس پر تبصرہ درج ذیل ہے:
اول: محمد بن سعد العوفی کو خطیب البغدادی (۳۲۹/۵) اور ابن الجوزی (المنتظم ۲۸۰/۱۲)
ت ۱۸۳۵) دونوں نے لین (یعنی ضعیف) کہا اور دارقطنی نے ”لا بأس به“ قرار دیا۔
(دیکھئے سوالات الحاکم: ۱۷۸)

جمہور کی ترجیح کی وجہ سے جرح مقدم ہے۔
دوم: العوفی کا شاگرد محمد بن احمد بن عصام نامعلوم (یعنی مجہول) ہے۔
سوم: ابن عصام کا شاگرد احمد بن علی بن عمرو بن حیش الرازی ہے، جس کی توثیق نامعلوم

ہے۔ ایک ضعیف اور دو مجہول راویوں کی وجہ سے یہ روایت ضعیف و مردود ہے۔

۵) صالح بن محمد الاسدی سے روایت ہے کہ (امام) یحییٰ بن معین نے فرمایا:

ابو حنیفہ حدیث میں ثقہ تھے۔

(تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۲۵۰، مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۸۱، مقام ابی حنیفہ ص ۱۲۹، اور تہذیب الکمال ۷/۳۴۰)
مقدمہ تحفۃ الاحوذی میں یہ روایت بحوالہ تہذیب التہذیب منقول ہے اور تہذیب التہذیب
میں یہ بے سند ہے۔ تہذیب التہذیب کی اصل: تہذیب الکمال میں بھی یہ روایت بے سند
ہے۔ اس روایت کی کوئی سند ہمیں کسی کتاب میں نہیں ملی لہذا یہ روایت مردود ہے۔

ہمارے شیخ ابو محمد بدیع الدین شاہ الراشدی رحمہ اللہ نے فرمایا: ”ہذا لا یعرف

سندہ“ اس کی سند نامعلوم ہے۔ (انماء الزکون فی تنقید انباء السکن ص ۶۶)

۶) احمد بن حجر المکی الکبیری (۹۰۹-۹۷۳ھ) نامی ایک بدعتی نے اپنی پیدائش سے صدیوں
پہلے وفات پانے والے امام یحییٰ بن معین سے بغیر کسی سند سے نقل کیا ہے:

اور ابو حنیفہ فقہ و حدیث میں ثقہ و صدوق اور اللہ کے دین میں قابل اعتماد اور مأمون تھے۔

(الخیرات الحسان ص ۲۸، دوسرا نسخہ ص ۳۱، مقام ابی حنیفہ ص ۱۲۹)

یہ روایت بے سند ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

تاریخ بغداد (ج ۱۳ ص ۴۵۰) میں یہی روایت احمد بن الصلت الحمائی یعنی ابن عطیہ
کی سند سے موجود ہے۔ ابن عطیہ الحمائی مشہور کذاب تھا، جس کے بارے میں امام
ابن عدی رحمہ اللہ نے فرمایا: میں نے جھوٹے لوگوں میں اتنا بے حیا (بے شرم جھوٹا) اور کوئی
نہیں دیکھا۔ (اکامل لابن عدی ج ۱ ص ۲۰۲، دوسرا نسخہ ج ۱ ص ۳۲۷-۳۲۸)

ابن عطیہ یعنی ابن الصلت مذکور کو ابن حبان، دارقطنی، ابن ابی الفوارس، خطیب بغدادی،
ذہبی، حاکم نیشاپوری، ابونعیم الاصبہانی، ابن الجوزی اور ابن کثیر نے حدیثیں گھڑنے والا
(یعنی بڑا جھوٹا) قرار دیا ہے۔

دیکھئے مضمون: سرفراز خان صفدر کا علمی و تحقیقی مقام؟ روایت نمبر ۱ (الحديث: ۷۳ ص ۱۲-۱۳)

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ درج بالا قول موضوع (من گھڑت) ہے، جسے ابن حجر کی پیتی نے سند حذف کر کے رواج دینے کی کوشش کی ہے لہذا اس کی کتاب ”الخیرات الحسان“ سر اسرنا قابل اعتماد ہے بلکہ اس کی ساری کتابیں غیر مستند اور ناقابل اعتماد ہیں۔

۷) عبد اللہ بن احمد بن ابراہیم الدورقی (ثقفہ) سے روایت ہے کہ یحییٰ بن معین نے ابو حنیفہ کے بارے میں فرمایا: وہ ثقہ تھے، میں نے کسی سے نہیں سنا کہ کسی ایک نے بھی انہیں ضعیف کہا ہو اور یہ شعبہ بن الحجاج ہیں جو ان کی طرف لکھتے تھے کہ وہ حدیث بیان کریں اور انہیں حکم دیتے تھے اور شعبہ شعبہ تھے۔

(الانتقاء لابن عبد البر ص ۱۲۷، الجواهر المضية ج ۱ ص ۲۹، مقام ابی حنیفہ ص ۱۳۰)

الجواهر المضية لعبد القادر القرشي (متوفی ۷۵۷ھ) میں یہ روایت بحوالہ الانتقاء منقول ہے۔ الانتقاء میں اس کا بنیادی راوی ابو یعقوب یوسف بن احمد بن یوسف المکی الصيد لانی (ابن الدخیل) مجہول الحال ہے۔ اس کا ذکر تاریخ الاسلام للذہبی (۱۷۸/۲۷)، وفیات ۳۸۸ھ) اور العقد الثمین فی تاریخ البلد الامین للفاسی (۴۸۲/۷ تا ۶۲۷) وغیرہا میں بغیر کسی جرح و تعدیل کے مذکور ہے۔

کوثری گروپ کے ایک غالی تقلیدی ابو الوفاء الافغانی نے سخت افسوس کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا: ”ومن الأسف أني لم أجد ترجمته في كتب الرجال ولا في الطبقات“ اور افسوس! کہ مجھے اس کے حالات اسماء الرجال کی کتابوں میں نہیں ملے اور نہ کتب طبقات میں ملے ہیں۔ (مقدمة اخبار ابی حنیفہ واصحابہ للصیری ص ۷ بقلم ابی الوفاء الافغانی: رئیس لجنة احياء المعارف العثمانية حیدرآباد، الہند)

مجہول کے لئے افسوس کرنے کا کوئی فائدہ نہیں بلکہ اصول حدیث کی رو سے اُس کی ہر روایت رد کر دینا ہی صحیح ہے الا یہ کہ معتبر متابعت یا شاہد ثابت ہو۔

سرفراز خان نے روایت مذکورہ میں عبد اللہ بن احمد بن ابراہیم الدورقی کی توثیق تو بیان کر دی لیکن ابن الدخیل الصيد لانی کی توثیق سے مکمل خاموشی برتی۔!

ابن الدخیل کا استاذ احمد بن الحسن الحافظ غیر متعین ہونے کی وجہ سے بمنزلہ مجہول ہے۔
معلوم ہوا کہ یہ سند ضعیف و مردود ہے۔

اس ضعیف سند کے برعکس امام شعبہ بن الحجاج سے صحیح و ثابت سند کے ساتھ نعمان بن ثابت پر جرح منقول ہے۔ مثلاً دیکھئے کتاب الضعفاء للعقيلي (۲۸۱/۴)، وفي نسخة اخرى ۴۳۳/۳ (سندہ صحیح) اور کتاب السنۃ لعبد اللہ بن احمد بن حنبل (۳۴۵/۳ سندہ صحیح)
۸) عباس بن محمد الدوري سے روایت ہے کہ یحییٰ بن معین نے کہا:

”کان أبو حنیفة أنبل من أن یکذب ، کان صدوقاً إلا أن فی حدیثه ما فی حدیث الشیوخ“ ابو حنیفہ جھوٹ بولنے سے بہت بلند تھے، وہ سچے تھے مگر ان کی حدیث میں ایسی باتیں ہیں جو شیوخ کی حدیث میں ہو جاتی ہیں۔ (تاریخ بغداد ۴۳۹/۱۳)
اس روایت کی سند موضوع ہے کیونکہ اس کا راوی احمد بن عبد الرحمن بن الجارود الرقی کذاب تھا۔

ابن الجارود کے بارے میں خطیب بغدادی نے کہا: ”فإنه كذاب“

پس بے شک وہ کذاب (جھوٹا) ہے۔ (تاریخ بغداد ج ۲ ص ۲۲۷ ت ۷۱۶)

نیز دیکھئے لسان المیزان (ج ۱ ص ۲۱۳، دوسرا نسخہ ج ۱ ص ۳۱۹-۳۲۰)

۹) نصر بن محمد البغدادی سے روایت ہے کہ (امام) یحییٰ بن معین فرماتے تھے:
محمد بن الحسن (بن فرقد الشیبانی) کذاب تھا اور جہمی تھا، اور ابو حنیفہ جہمی تھے اور کذاب نہیں تھے۔ (تاریخ بغداد ج ۱ ص ۴۳۹)

اس روایت میں نصر بن محمد بن محمد نامعلوم ہے لہذا یہ روایت ضعیف ہے۔

اگر اس سے مراد مضر بن محمد البغدادی ہو۔ (دیکھئے التتیل للیمانی ج ۱ ص ۴۹۰ ت ۲۵۶)
تو پھر تاریخ بغداد والی سند صحیح ہے۔

۱۰) احمد بن محمد بن القاسم بن حرز سے روایت ہے کہ ابن معین کہتے تھے:

”کان أبو حنیفة لا بأس به و کان لا یکذب ... أبو حنیفة عندنا من أهل

الصدق ولم يتهم بالكذب ... ”ابوحنيفه لا بأس به (یعنی ثقہ) تھے، وہ جھوٹ نہیں بولتے تھے... ہمارے نزدیک ابوحنیفہ سچے لوگوں میں سے تھے اور ان پر جھوٹ کی تہمت نہیں لگی... (تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۴۴۹)

یہ روایت تین وجہ سے ضعیف و مردود ہے:

اول: احمد بن محمد بن القاسم بن محرز کی توثیق نامعلوم ہے۔

دوم: جعفر بن درستویہ کے حالات اور ثقہ ہونا نامعلوم ہے۔

سوم: احمد بن مسعود الفزاری نامعلوم ہونے کی وجہ سے مجہول ہے۔

امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت الکلبی الکوفی کے بارے میں یحییٰ بن معین البغدادی کی توثیق کی یہ کل روایات ہیں، جو ہم تک پہنچی ہیں۔ آپ نے دیکھ لیا کہ یہ سب روایات ضعیف و مردود ہیں، ان میں سے ایک بھی صحیح یا حسن لذاتہ نہیں لہذا ان روایات سے استدلال مردود ہے۔

تنبیہ: میرے علم کے مطابق خیر القرون کے زمانے (۸۰ھ سے لے کر ۳۰۰ھ تک) میں کسی ایک مستند و قابل اعتماد محدث و عالم دین سے امام ابوحنیفہ کی مطلقاً صریح توثیق ثابت نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص مطلقاً ثقہ و صدوق کا ایک صریح حوالہ و رد مذکور سے باسند صحیح پیش کر دے تو ہم اُس کے از حد ممنون ہوں گے۔ یاد رہے کہ بے سند حوالوں یا الزامی جواب کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

ان توثیقی روایات کے بعد اب جرح والی روایات اور ان کی تحقیق پیش خدمت ہے:

۱) معتدل امام ابو احمد عبداللہ بن عدی الجرجانی رحمہ اللہ (متوفی ۳۶۵ھ) نے فرمایا:

”ثنا علي بن أحمد بن سليمان: ثنا ابن أبي مریم قال: سألت يحيى بن معين عن أبي حنيفة؟ قال: لا يكتب حديثه“ ہمیں علی بن احمد بن سلیمان (علان) نے حدیث بیان کی (کہا): ہمیں (احمد بن سعد) ابن ابی مریم نے حدیث بیان کی، کہا: میں نے ابوحنیفہ کے بارے میں یحییٰ بن معین سے پوچھا؟ انھوں نے فرمایا: اُس کی

حدیث نہ لکھی جائے۔ (اکامل فی ضعف الرجال ج ۷ ص ۲۴۷۳ وسندہ صحیح)
اسے خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد (۴۵۰/۱۳) میں اور ابن الجوزی نے المنتظم
(۱۳۷/۸) من طریق الخطیب) میں علی بن احمد بن سلیمان المقرئ (علاء) سے روایت کیا
ہے۔ اس کی سند صحیح ہے۔ اس قول کو حافظ ذہبی نے اپنی کتاب دیوان الضعفاء (۴۰۴/۲) ت
(۴۳۸۹) میں بطور جزم بیان کیا ہے۔

امام ابن عدی مشہور ثقہ امام تھے۔ ابوسعید عبدالکریم بن محمد بن منصور السمعی (متوفی
۵۶۲ھ) نے کہا: ”وكان حافظاً متقناً، لم يكن في زمانه مثله...“
وہ ثقہ حافظ تھے، اُن کے زمانے میں اُن جیسا کوئی نہیں تھا... (الانساب، ۴۱/۲، الجرجانی)
امام دارقطنی نے اکامل لابن عدی کے بارے میں کہا: یہ (کتاب) کافی ہے، اس پر اضافہ
نہیں کیا جاتا۔ (تاریخ جرجان للامام حمزہ السہمی: ۴۴۳)

حافظ ذہبی نے کہا: ”هو الإمام الحافظ الناقد...“ (سير اعلام النبلاء، ۱۶/۱۵)
حافظ ابن عساکر نے کہا: ”وكان مصنفًا حافظًا ثقة على لحن فيه“
وہ مصنف حافظ ثقہ تھے، ان کے کلام میں لحن تھا۔ (تاریخ دمشق ج ۳ ص ۵)
حمزہ بن یوسف السہمی نے اپنے استاد امام ابن عدی کے بارے میں فرمایا:
وہ حافظ متقن (ثقہ) تھے، ان کے زمانے میں اُن جیسا کوئی نہیں تھا...

(تاریخ جرجان: ۴۴۳ ص ۱۱، تاریخ دمشق لابن عساکر ۶/۳۳ وسندہ صحیح)
ابن عدی کے بارے میں محمد بن عبدالرحمن السخاوی (صوفی) نے کہا:
”وقسم معتدل كأحمد والدارقطني وابن عدي“ اور ایک گروہ معتدل
(انصاف والا) ہے جیسے احمد (بن حنبل)، دارقطنی اور ابن عدی۔ (المستکون فی الرجال ص ۱۳۷)
حافظ ذہبی نے کہا: ”وقسم كالبخاري وأحمد بن حنبل وأبي زرعة وابن
عدي: معتدلون منصفون.“ اور ایک گروہ جیسے بخاری، احمد بن حنبل، ابو زرعة اور ابن
عدی: یہ معتدل (اور) انصاف کرنے والے تھے۔ (ذکر من يعتمد قوله في الجرح والتعديل ص ۱۵۹)

بہت بعد کے زمانے (شراقرنوں) میں بعض خفیوں (ظاہریہ اہل الرائے) نے
امام ابن عدی پر تعصب کا الزام لگایا ہے جو کہ درج بالا توثیق کی وجہ سے مردود ہے۔
ابن عدی کے استاذ علی بن احمد بن سلیمان بن ربیعہ الصیقل المصری: علان ثقہ تھے۔
حافظ ذہبی نے کہا: ”الإمام المحدث العدل“ وہ امام محدث (اور) عادل تھے۔

(سیر اعلام النبلاء ۱۲۶/۲۹۶)

ابوسعید بن یونس المصری نے کہا: ”كان ثقة كثير الحديث ...“ وہ ثقہ تھے، ان کی
حدیثیں زیادہ ہیں ... (تاریخ ابن یونس المصری: تاریخ المصرین، القسم الاول ج ۱ ص ۳۵۵ تا ۹۷۱)
آگے لکھا ہے: ”و في خلقه زعارة“ اور ان کے اخلاق میں تند خوئی تھی۔ (ایضاً ص ۳۵۶)
جمہور کی توثیق کے بعد تند خوئی والی جرح مردود ہے۔

علان کے استاذ احمد بن سعد بن الحکم بن محمد بن سالم عرف ابن ابی مریم (متوفی
۲۵۳ھ) صدوق تھے۔ دیکھئے تقریب التہذیب (۳۵)

خلاصہ یہ کہ یہ سند صحیح ہے۔

۲) امام عبداللہ بن احمد بن حنبل نے کہا:

”حدثني أبو الفضل : ثنا يحيى بن معين قال : كان أبو حنيفة مرجئاً و كان
من الدعاة ولم يكن في الحديث بشيء و صاحبه أبو يوسف ليس به بأس“
مجھے ابو الفضل (حاتم بن الليث الخراسانی) نے حدیث بیان کی، ہمیں یحییٰ بن معین نے
حدیث بیان کی، کہا: ابو حنیفہ مرجی تھے اور (اس طرف) دعوت دینے والے تھے اور وہ
حدیث میں کچھ چیز نہیں تھے اور ان کا ساتھی (شاگرد) ابو یوسف (القاضی) ليس به بأس
(یعنی ثقہ) ہے۔ (کتاب السنۃ: ۴۰۲ و سندہ صحیح بخطوط مصور ص ۲۲)

عبداللہ بن احمد بن حنبل ثقہ تھے۔

دیکھئے تقریب التہذیب (۳۲۰۵) اور میری کتاب: علمی مقالات (ج ۱ ص ۳۹۲)
ابو الفضل حاتم بن الليث الخراسانی ثقہ تھے۔

دیکھئے تاریخ بغداد (۸/۲۴۵ ت ۲۴۶) کتاب الثقات لابن حبان (۸/۲۱۱) اور الممتنظم لابن الجوزی (۱۲/۵۷۱ ت ۱۶۷۰، وفیات ۲۶۲ھ)
خلاصہ یہ کہ یہ سند بالکل صحیح ہے۔

تنبیہ: قاضی ابو یوسف کو چونکہ جمہور محدثین نے ضعیف قرار دیا تھا لہذا تحقیق راجح میں وہ ضعیف تھے۔ دیکھئے علمی مقالات (ج ۱ ص ۵۳۳-۵۳۸)
امام یحییٰ بن معین سے قاضی ابو یوسف کی توثیق والی دیگر روایات بھی ہیں۔
دیکھئے علمی مقالات (ج ۱ ص ۵۳۵)

دوسری طرف یہ بھی صحیح روایت ہے کہ یحییٰ بن معین نے قاضی ابو یوسف کے بارے میں کہا:
”لا یکتب حدیثہ“ اس کی حدیث نہ لکھی جائے۔

(الکامل لابن عدی ۸/۴۶۶ و سندہ صحیح، تاریخ بغداد ۱۴/۲۵۸، نیز دیکھئے علمی مقالات ج ۱ ص ۵۳۹)
اس صحیح روایت اور جمہور کی جرح کی رو سے امام ابن معین کی قاضی ابو یوسف کے بارے میں توثیقی روایات منسوخ ہیں۔

۳) ابو خالد یزید بن الہیثم الدقاق البادانی نے اپنی کتاب میں کہا: میں نے یحییٰ (بن معین) کو فرماتے ہوئے سنا: وہ حدیث جسے موسیٰ بن ابی عائشہ عن عبد اللہ بن (شداد) عن جابر عن النبی ﷺ کی سند سے ابو حنیفہ روایت کرتے تھے: من کان له إمام فقراء إمامه له قراء (جس کا امام ہو تو امام کی قراء اُس کی قراءت ہے) یہ حدیث کچھ چیز نہیں ہے، یہ صرف عبد اللہ بن شداد (سے یعنی مرسل) ہے۔ (من کلام یحییٰ بن معین فی الرجال ص ۱۲۱ رقم ۳۹۷)
یہ قول امام ابن معین سے صحیح ثابت ہے۔ یزید بن الہیثم بن طہمان ثقہ تھے۔

دیکھئے سوالات الحاکم النیسابوری للدارقطنی (۲۴۳) تاریخ بغداد (۱۴/۳۴۹ ت ۷۶۶)
اور الممتنظم (طبعہ قدیمہ ۵/۷۵، طبعہ جدیدہ ۱۲/۳۷۷ وفیات ۲۸۴ھ)

۴) محمد بن عثمان بن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے فرمایا:
یحییٰ بن معین سے ابو حنیفہ کے بارے میں پوچھا گیا تو میں نے انھیں (یہ) فرماتے ہوئے

سنا: ”کان یضعف فی الحدیث“ وہ حدیث میں ضعیف قرار دیا جاتا تھا۔ (الضعفاء الکبیر للعقيلي ۲/۲۸۵ وسنده حسن، تاریخ بغداد ۱۳/۲۵۰ وسنده حسن، مسأله الاحتجاج بالشافعي للخطيب ص ۵۹)
اس روایت کو عقيلي اور ہبہ اللہ بن محمد بن حیش الفراء (ثقة/ تاریخ بغداد ۱۴/۷۰۱ ت ۷۱۶) دونوں نے محمد بن عثمان بن ابی شیبہ سے بیان کیا ہے اور محمد بن عثمان مذکور جمہور محدثین کی توثیق کی وجہ سے حسن الحدیث تھے۔ دیکھئے علمی مقالات (ج ۵ ص ۴۷۵-۴۸۳)
ان پر ابن عقدہ (رائضی اور چور) کی جرح مردود ہے۔

۵) خطیب بغدادی نے کہا:

”أخبرنا عبيد الله بن عمر الواعظ : حدثنا أبي : حدثنا محمد بن يونس الأزرق : حدثنا جعفر بن أبي عثمان قال : سمعت يحيى وسألته عن أبي يوسف و أبي حنيفة فقال : أبو يوسف أوثق منه في الحديث ، قلت : فكان أبو حنيفة يكذب ؟ قال : كان أنبل في نفسه من أن يكذب“
جعفر بن ابی عثمان (الطیالسی) سے روایت ہے کہ میں نے یحییٰ (بن معین) سے ابو یوسف اور ابو حنیفہ کے بارے میں پوچھا؟ تو انھوں نے فرمایا: حدیث میں ابو یوسف اس سے زیادہ ثقہ تھے۔ میں (جعفر) نے کہا: کیا ابو حنیفہ جھوٹ بولتے تھے؟ انھوں نے کہا: وہ جھوٹ بولنے سے فی نفسہ بہت بلند تھے۔ (تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۴۹۹ وسنده صحیح)
اس کی سند صحیح ہے اور راویوں کا مختصر حال درج ذیل ہے:

(۱) عبید اللہ بن عمر الواعظ صدوق (سچے) تھے۔ (تاریخ بغداد ج ۱۰ ص ۳۸۶ ت ۵۵۶۱)

(۲) عمر بن احمد بن عثمان المعروف بابن شاہین البغدادي ثقة امین تھے۔

(تاریخ بغداد ج ۱۱ ص ۲۶۵ ت ۶۰۲۸)

نیز دیکھئے سیر اعلام النبلاء (۴۳۱/۱۶) اور تذکرۃ الحفاظ (۹۸۸/۳)

(۳) محمد بن یونس الازرق ثقہ تھے۔ (تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۴۲۶ ت ۱۵۷۶)

(۴) جعفر بن ابی عثمان الطیالسی ثقہ ثبت تھے۔ (تاریخ بغداد ج ۱۸ ص ۱۸۸ ت ۳۶۲۰)

یہاں پر بطور فائدہ عرض ہے کہ روایت مذکورہ کے مطابق ابو یوسف کا نعمان بن ثابت سے زیادہ ثقہ ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ امام یحییٰ بن معین کے نزدیک نعمان مذکور ثقہ تھے اور ایک صحیح روایت میں امام یحییٰ بن معین کے نزدیک قاضی ابو یوسف: ”لا یکتب حدیثہ“ تھے۔ دیکھئے تجریدی روایت نمبر ۲، لہذا توثیقی روایات منسوخ ہیں یا امام ابن معین سے دونوں قسم کی روایات متعارض و متناقض ہونے کی وجہ سے ساقط ہیں۔ واللہ اعلم

قاضی ابو یوسف کو جمہور محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے لہذا نعمان بن ثابت رحمہ اللہ پر ان کی ترجیح کا مطلب یہ ہے کہ نعمان جمہور بلکہ بہت زیادہ محدثین کے نزدیک مجروح تھے۔
۶) ابو بکر محمد بن حماد بن بکر بن حماد المقرئ رحمہ اللہ (متوفی ۲۶۷ھ) نے فرمایا:
میں نے یحییٰ بن معین سے ابو حنیفہ کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا:

”و أیش کان عند أبي حنيفة من الحديث حتى تسأل عنه؟“
ابو حنیفہ کے پاس کتنی حدیثیں تھیں کہ تم اُس کے بارے میں پوچھتے ہو؟

(تاریخ بغداد ۱۳/۴۲۵ و سندہ صحیح)

اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ سے امام ابو حنیفہ کی توثیق ثابت نہیں بلکہ جرح اور تضعیف ثابت ہے۔

عبدالغفار دیوبندی نامی ایک شخص نے امام ابن معین کے بارے میں لکھا ہے:

”الحنفی المقلد“ (دیوبندی رسالہ: قافلہ حق ج ۳ شمارہ ۴: ص ۱۹)

عبدالغفار (.....) کی یہ بات بالکل جھوٹ بلکہ کالا جھوٹ ہے۔

امام ابن معین کا مقلد ہونا قطعاً ثابت نہیں اور یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ حنفی ہوں اور پھر اپنے امام کو ضعیف اور لا یکتب حدیثہ کہتے رہیں؟!

وہ نہ حنفی تھے اور نہ مقلد تھے بلکہ عظیم الشان محدث اور جلیل القدر عالم تھے۔ عالم مقلد نہیں ہوتا بلکہ ”تقلید“ کرنا تو جاہلوں کا کام ہے۔

حافظ ابن عبدالبر الاندلسی (متوفی ۴۶۳ھ) نے لکھا ہے: ”قالوا: والمقلد لا علم له

ولم يختلفوا في ذلك “ انھوں (علماء) نے کہا: اور مقلد لا علم ہوتا ہے اور اس میں اُن کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ (جامع بیان العلم وفضلہ ج ۲ ص ۱۱، اعلام الموقعین ج ۲ ص ۱۹۷) حافظ ابن القیم نے لکھا ہے:

”و إذا كان المقلد ليس من العلماء باتفاق العلماء لم يدخل في شيء من هذه النصوص“ اور جب علماء کے اتفاق کے ساتھ مقلد علماء میں سے نہیں ہے تو وہ ان دلائل (علم وفضیلت) میں داخل نہیں ہے۔ (اعلام الموقعین ج ۲ ص ۲۰۰)

آل دیوبند کی ”خدمت“ میں عرض ہے کہ کیا وہ امام ابن معین رحمہ اللہ کو بھی اپنے جیسا لاعلم و جاہل سمجھتے ہیں کہ انھیں علماء کی صف سے نکال کر مقلدین میں شامل کر دیا ہے؟ یا یہ لوگ خوفِ آخرت سے بے نیاز ہو کر جھوٹی اور باطل باتیں پھیلانے میں ہمہ تن مدہوش ہیں؟!

نیز دیکھئے برادر محترم غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری حفظہ اللہ کا تحقیقی مضمون: ”امام ابو حنیفہ امام یحییٰ بن معین کی عدالت میں“ [ماہنامہ السنہ جہلم (شمارہ: ۷۷ ص ۲۶-۳۱)] (۳/نومبر ۲۰۰۹ء)

والدین کی اطاعت

دین اسلام میں والدین کی اطاعت فرض ہے اور ان کا اتنا عظیم الشان مقام ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((ان كان العدو عند باب البيت فلا تذهب إليه إلا بإذن أبويك.))

اگر دشمن گھر کے دروازے کے پاس پہنچ جائے تو پھر بھی اپنے والدین کی اجازت کے بغیر اُس کی طرف (لڑنے کے لئے) نہ جا۔

(المعجم الصغير للطبرانی ج ۱ ص ۲۸۸ وسندہ حسن، باب من اسما اسامه)

تنبیہ: روایت مذکورہ میں اسامہ بن علی بن سعید بن بشیر الرازی اور احمد بن عبد الرحمن بن وہب دونوں حسن الحدیث راوی ہیں اور باقی سند صحیح ہے۔

حافظ زبیر علی زئی

ختم نبوت کی احادیث صحیحہ پر قادیانیوں کے حملے

اور اُن کا جواب

(قسط نمبر ۲، آخری)

۱۰) اللہ تاجا لندھری قادیانی نے لکھا ہے:
”اس روایت کے دوسرے راوی زہری کے متعلق بھی لکھا ہے ”کان يدلّس في النادر“
(میزان الاعتدال جلد ۴ زینام محمد بن مسلم الزہری دار الفکر العربی وانوار محمدی جلد ۲ ص ۴۳۸)
کہ راوی کبھی کبھی تدلیس بھی کرتا تھا۔ پس اس روایت میں بھی اس راوی نے ازراہ
تدلیس ”والعاقب الذی لیس بعده نبی“ کے الفاظ بڑھادئے۔“
(القول المبین ص ۵۸)

عرض ہے کہ صحیح بخاری میں امام ابن شہاب الزہری کی اس حدیث میں سماع کی تصریح
موجود ہے۔ (کتاب التفسیر، سورۃ الصف ج ۶ ص ۴۸۹۶)
لہذا یہاں تدلیس کا اعتراض مردود ہے۔

دوسرے یہ کہ ”والعاقب الذی لیس بعده نبی“ یعنی العاقب اسے کہتے ہیں
جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو، کے الفاظ امام زہری نے ایک سوال کے جواب میں حدیث کی
تشریح کے طور پر فرمائے تھے اور راوی حدیث کی تشریح بعد میں آنے والے تمام لوگوں کے
مقابلے میں رائج ہے بلکہ یہ تشریح قرآن و حدیث کی موافقت اور سلف صالحین کے متفقہ فہم
ہونے کی وجہ سے حجت ہے۔

۱۱) ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((أنا آخر الأنبياء و أنتم
آخر الأمم .)) میں آخری نبی ہوں اور تم آخری امت ہو۔
اس حدیث کو سنن ابن ماجہ سے نقل کر کے قادیانی نے دو راویوں عبدالرحمن بن محمد

المحاربي اور اسماعیل بن رافع ابورافع پر جرح کی ہے۔ دیکھئے القول لمبین (ص ۵۹)
عرض ہے کہ امام ابو بکر احمد بن عمرو بن ابی عاصم رحمہ اللہ (متوفی ۲۸۷ھ) نے فرمایا:
”حدثنا أبو عمير: ثنا ضمرة عن يحيى بن أبي عمرو السيباني عن عمرو بن
عبد الله الحضرمي عن أبي أمانة الباهلي قال: خطبنا رسول الله ﷺ ذات
يوم... ((و أنا آخر الأنبياء و أنتم آخر الأمم...))“ ہمیں ابو عمیر (عیسیٰ بن محمد
بن اسحاق النحاس الرملی) نے حدیث بیان کی، انھوں نے ضمیرہ (بن ربیعہ) سے، انھوں
نے یحییٰ بن ابی عمرو السیبانی سے، انھوں نے عمرو بن عبد اللہ الحضرمی سے، انھوں نے
ابو امامہ الباہلی (رضی اللہ عنہ) سے، انھوں نے فرمایا: ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطبہ
دیا۔ آپ نے فرمایا: اور میں آخری نبی ہوں اور تم آخری امت ہو۔

(کتاب السنہ لابن ابی عاصم: ۳۹۱ و سندہ صحیح، دوسرا نسخہ: ۲۰۰)

اس حدیث کی سند حسن لذاتہ ہے اور راویوں کا مختصر تذکرہ درج ذیل ہے:

- (۱) ابو عمیر النحاس: ثقة فاضل (تقریب التہذیب: ۵۳۲)
- (۲) ضمیرہ بن ربیعہ کو امام ابن معین اور جمہور محدثین کرام نے ثقہ و صدوق قرار دیا لہذا وہ
حسن الحدیث تھے۔
- (۳) یحییٰ بن ابی عمرو السیبانی: ثقة الخ (تقریب التہذیب: ۷۱۶)
- (۴) عمرو بن عبد اللہ کو امام عجل اور حافظ ابن حبان وغیرہما نے ثقہ اور صحیح الحدیث قرار دیا
ہے لہذا وہ ثقہ تھے۔
- (۵) ابو امامہ رضی اللہ عنہ مشہور صحابی تھے۔

ہماری اس روایت میں وہ راوی ہی نہیں جن پر قادیانی نے جرح کر رکھی ہے لہذا یہ
جرح مردود ہے۔

۱۲) ابوالزناد عبد اللہ بن ذکوان القرشی المدنی رحمہ اللہ (تابعی) کو امام احمد بن حنبل،
یحییٰ بن معین اور ابو حاتم الرازی وغیرہم نے ثقہ کہا بلکہ امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ انھیں

”أمیر المؤمنین فی الحدیث“ کہتے تھے۔

(کتاب الجرح والتعديل لابن ابی حاتم ۳۹۵ وسندہ حسن)

امام ربیعہ نے امام ابوالزناد پر ذاتی دشمنی کی وجہ سے جرح کی تھی، جسے قادیانی نے درج ذیل الفاظ میں نقل کیا ہے:

”ابوالزناد کے متعلق ربیعہ کا قول ہے کہ ”لیس بشقة ولا رضى“ (میزان الاعتدال جلد ۳ ص ۱۳۲) زیر نام عبد اللہ بن ذکوان دار الفکر العربی (کہ یہ راوی نہ ثقہ ہے اور نہ پسندیدہ۔ پس یہ روایت قابل استناد نہیں رہی۔“ (القول المبین ص ۶۷)

عرض ہے کہ میزان الاعتدال کے اسی مقام پر ربیعہ رحمہ اللہ کے مذکورہ قول کے فوراً بعد حافظ ذہبی نے لکھا ہے: ”قلت: لا یسمع قول ربیعة فیہ فإنه کان بینہما عداوة ظاهرة.“ میں نے کہا: اُن کے بارے میں ربیعہ کا قول قابل سماعت نہیں کیونکہ دونوں کے درمیان واضح دشمنی تھی۔ (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۲۱۸ تا ۲۳۰، دوسرا نسخہ ج ۲ ص ۹۵)

مذکورہ مقام پر حافظ ذہبی کے ضروری تبصرے کو چھپانا خیانت اور ایک دو کے شاذ اقوال کو جمہور کے مقابلے میں پیش کرنا باطل و مردود ہے۔

۱۳) سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ ایک صحیح حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لا تقوم الساعة حتی تلحق قبائل من أمتي بالمشركين و حتی یعبدوا الأوثان و إنه سیکون فی أمتي ثلاثون کذابون کلهم یزعم أنه نبی و أنا خاتم النبیین لا نبی بعدی .)) قیامت اُس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک میری اُمت کے کچھ قبائل مشرکوں کے ساتھ مل نہ جائیں اور حتیٰ کہ وہ اوثان (بتوں) کی عبادت کریں گے۔

اور میری اُمت میں تیس (۳۰) کذاب ہوں گے جن میں سے ہر ایک یہ دعویٰ کرے گا کہ وہ نبی ہے اور (یاد رکھو) میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔

(سنن الترمذی کتاب الفتن باب ما جاء لا تقوم الساعة حتی یخرج کذابون ج ۲۲۱۹ وقال: هذا حدیث صحیح)

اس حدیث کو حافظ ابن حبان نے اپنی صحیح میں درج کیا ہے یعنی اسے صحیح قرار دیا ہے۔

(الاحسان فی تفریب صحیح ابن حبان: ۱۹۴، دوسرا نسخہ: ۷۳۸)

اس صحیح حدیث پر جرح کرتے ہوئے اللہ تاقادیری نے لکھا ہے:

” (ب) تیس دجالوں والی حدیث کو ترمذی نے جس طریقہ سے نقل کیا ہے اس کو اسناد میں ابو قلابہ اور ثوبان دوراوی ناقابل اعتبار ہیں ابو قلابہ کے متعلق تو لکھا ہے کہ لیس ابو قلابہ من فقہاء التابعین وهو عند الناس معدودٌ فی البلبہ انه مدلسٌ عنہم و عنہم لم یلحقہم “ (میزان الاعتدال زینا م عبد اللہ بن زید بن عمر والجرمی البصری دار الفکر العربی۔ نیز تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۱۹۹ عبد التواب اکیڈمی ملتان) کہ ابو قلابہ فقہاء میں سے نہ تھا بلکہ وہ ابلہ مشہور تھا اور جو اسے ملا اس کے بارے میں جو اسے نہیں ملا اس کے بارے میں وہ تدلیس کیا کرتا تھا۔ “ (القول المبین ص ۶۷)

امام ابو قلابہ عبد اللہ بن زید الجریمی کو ابن سعد، عجل اور ابن حبان (ذکرہ فی کتاب الثقات ۲/۵) وغیرہم نے ثقہ قرار دیا بلکہ حافظ ابن عبد البر نے فرمایا: ” أجمعوا علی أنه من ثقات العلماء “ اس پر اجماع ہے کہ وہ ثقہ علماء میں سے ہیں۔ (کتاب الاستغناء فی معرفۃ المشہورین من حملۃ العلم بالکنی لابن عبد البر ۲/۸۹۵-۸۹۶ تا ۱۰۶۳، واللفظ لہ، کتاب الاستغناء فی اسماء المشہورین بالکنی من حملۃ الحدیث، تالیف ابن عبد البر تلخیص محمد بن ابی الفتح البعلی، مصورہ من المخطوط ص ۹۳)

اس اجماع کے مقابلے میں ابن التین شارح البخاری (متوفی ۶۱۱ھ) نے بغیر سند کے اپنی وفات سے دو سو آٹھ (۲۰۸) سال پہلے فوت ہو جانے والے ابو الحسن علی بن محمد القاسمی (متوفی ۴۰۳ھ) سے جو جرح (بلکہ وہ ابلہ مشہور تھا) نقل کی ہے، دو وجہ سے مردود ہے:

اول: یہ بے سند ہونے کی وجہ سے ثابت نہیں ہے لہذا مردود ہے۔

دوم: امام ابو قلابہ کے شاگرد رشید امام ایوب السخنیانی رحمہ اللہ نے فرمایا:

” کان واللہ أبو قلابہ من الفقہاء ذوی الألباب . “

اللہ کی قسم! ابو قلابہ عقل مند فقہاء میں سے تھے۔ (کتاب الجرح والتعديل ۵۸/۵ وسندہ صحیح)

تنبیہ: ابن التین کی مذکورہ بے سند جرح میزان الاعتدال میں نہیں ملی لہذا اس سلسلے میں میزان کا حوالہ وہم و غلط ہے۔

رہا ابو قلابہ کی روایت پر حافظ ذہبی کی طرف سے تدلیس کا اعتراض تو یہ دو وجہ سے مردود ہے:

اول: حافظ ذہبی سے زیادہ بڑے امام اور متقدم محدث ابو حاتم الرازی نے ابو قلابہ کے بارے میں فرمایا: ”لا يعرف له تدليس“ اور اُن کا تدلیس کرنا معروف (معلوم) نہیں ہے۔ (کتاب الجرح والتعديل ۵۸/۵)

دوم: حافظ ذہبی کا یہ کہنا کہ ”إلا أنه يدللس عمن لحقهم و عمن لم يلحقهم ..“ مگر وہ تدلیس کرتے تھے اُن سے جن سے اُن کی ملاقات ہوئی تھی اور اُن سے (بھی تدلیس کرتے تھے) جن سے ملاقات نہیں ہوئی... (میزان الاعتدال ۴۲۶/۲)

اس بات کی دلیل ہے کہ حافظ ذہبی تدلیس اور ارسال میں کوئی فرق نہیں کرتے تھے اور یہ اصول حدیث کے عام طالب علموں کو بھی معلوم ہے کہ تدلیس اور ارسال میں فرق ہے۔ جن سے ملاقات نہ ہو، اُن سے روایت مرسل ہوتی ہے، نہ کہ تدلیس والی روایت لہذا حافظ ذہبی کا ابو قلابہ رحمہ اللہ پر تدلیس کا الزام غلط ہے۔

تنبیہ: سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ پر جرح کا جواب متصل بعد آ رہا ہے۔ دیکھئے فقرہ نمبر ۱۴ (۱۴) اللہ تبارک و تعالیٰ نے سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ، مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جرح کرتے ہوئے لکھا ہے: ”اسی طرح ثوبان کے متعلق ازدی کا قول ہے کہ ”یتكلمون فيه“ (میزان الاعتدال جلد ۳ ص ۳۷۳ زیر نام ثوبان دار الفکر العربی) کہ اس راوی کی صحت میں اہل علم کو کلام ہے۔“ (القول لمبین ص ۶۷)

عرض ہے کہ جس ثوبان پر بقول ازدی (اہل علم کو) کلام ہے، اس کا نام ثوبان بن سعید ہے جس سے ابو حاتم الرازی نے عبادان (ایک شہر) میں ۲۴۵ھ میں حدیثیں لکھی تھیں اور ابو زرہ (الرازی) نے فرمایا: ”لا بأس به“ اس کے ساتھ کوئی حرج نہیں ہے۔

دیکھئے لسان المیزان (ج ۲ ص ۸۵) اور کتاب الجرح والتعديل (ج ۲ ص ۴۷۰)
ابوزرعہ الرازی کے مقابلے میں ازدی (بذات خود ضعیف و مجروح) کی جرح مردود
ہے، تاہم عرض ہے کہ سنن ترمذی وغیرہ میں ثوبان (رضی اللہ عنہ) سے اس حدیث کے راوی
ابو اسماء عمرو بن مرثد الرجبی ہیں جو عبد الملک (بن مروان) کی حکومت کے زمانے میں فوت
ہو گئے تھے۔ (دیکھئے تقریب التہذیب: ۵۱۰۹)

عبد الملک بن مروان بن الحکم الاموی ۸۶ ہجری میں مرا تھا، تو کیا قادیانی علم الکلام
کے مطابق ابو اسماء الرجبی اپنی وفات کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر تیسری صدی ہجری یعنی
۲۴۵ھ میں ایک محدث کے پاس پڑھنے کے لئے آ گئے تھے؟!

حدیث مذکور میں ازدی والا ثوبان بن سعید راوی نہیں بلکہ ۵۴ ہجری میں فوت ہونے
والے مشہور صحابی سیدنا ثوبان بن جُبْر والہاشمی رضی اللہ عنہ، مولیٰ رسول اللہ ﷺ ہیں، جیسا کہ
تہذیب الکمال اور کتب الاطراف وغیرہ سے صاف ظاہر ہے۔

تنبیہ: سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ پر عبد الرحمن خادم قادیانی نے بھی اللہ دتا والی جرح کی ہے کہ
”ازدی کا قول ہے.... اس راوی کی صحت میں کلام ہے۔“ (پاکٹ بک ص ۳۱۲)

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ علم اسماء الرجال اور علم حدیث سے قادیانی حضرات بالکل
کورے اور جاہل ہیں بلکہ صحابہ کرام پر حملہ کرنے سے بھی نہیں چوکتے، مثلاً مرزا غلام احمد
قادیانی نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھا ہے:

”اور معلوم ہوتا ہے کہ بعض ایک دو کم سمجھ صحابہ کو جن کی درایت عمدہ نہیں تھی۔ عیسائیوں کے
اقوال سنکر جو ارد گرد رہتے تھے۔ پہلے کچھ یہ خیال تھا کہ عیسیٰ آسمان پر زندہ ہے جیسا کہ
ابو ہریرہ جو غبی تھا اور درایت اچھی نہیں رکھتا تھا لیکن جب حضرت ابو بکر نے...“

(قادیانی: روحانی خزائن ج ۱۹ ص ۱۲۶-۱۲۷)

اس عبارت میں مرزا نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی توہین کی ہے اور صحابہ کرام پر جھوٹ
بولا ہے۔

تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی وفات کا جھوٹا دعویٰ کرتے ہوئے مرزا غلام احمد نے لکھا ہے: ”معلوم ہوتا ہے کہ اس اجماع سے پہلے جو تمام انبیاء علیہم السلام کی وفات پر ہوا بعض نادان صحابی جن کو درایت سے کچھ حصہ نہ تھا وہ بھی اس عقیدہ سے بے خبر تھے کہ کل انبیاء فوت ہو چکے ہیں۔“ الخ (قادیانی روحانی خزائن ج ۲۱ ص ۲۸۵)

صحابہ کرام کو غبی، نادان اور اسلامی عقیدے سے بے خبر کہنے والا بذاتِ خود بڑا کذاب اور دجال ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: اے اللہ! اپنے اس بندے (ابو ہریرہ) اور اس کی ماں کو مومنوں کا محبوب بنا دے... الخ (صحیح مسلم: ۲۴۹۱)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہر مومن جو میرے بارے میں سن لیتا ہے تو بغیر دیکھے ہی مجھ سے محبت کرتا ہے۔ (ایضاً ملخصاً)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جن صحابہ سے حدیث پوچھتے تھے اُن میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

(دیکھئے صحیح بخاری: ۵۹۳۶)

سیدنا ابوبکر الصديق رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو (حجۃ الوداع میں) منادی کرنے والا مقرر کر کے بھیجا تھا۔ (صحیح بخاری: ۳۶۹)

ایک دفعہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک حدیث بیان کی تو ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ”صدق أبو هريرة“ ابو ہریرہ نے سچ کہا ہے۔ (طبقات ابن سعد ۳۳۲/۴ و سندہ صحیح)

حافظ ذہبی نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا: ”الإمام الفقيه المجتهد الحافظ صاحب رسول الله ﷺ...“ (سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۵۷۸)

ایسے جلیل القدر فقیہ مجتہد صحابی کو ”غبی، کم سمجھ، نادان اور اچھی درایت نہ رکھنے والا“ کہنے والا شخص بہت بڑا شیطان اور دجال ہے۔

اے اللہ! ہمارے دلوں کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی محبت سے بھر دے اور اس میں مزید اضافہ فرما۔ آمین

فائدہ: نبوت کا دعویٰ کرنے والے تیس کذابوں والی حدیث سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ کے علاوہ درج ذیل صحابہ سے بھی ثابت ہے:

(۱) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ (صحیح بخاری: ۳۶۰۹)

(۲) سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ (صحیح ابن خزیمہ: ۱۳۹۷، صحیح ابن حبان، الاحسان: ۲۸۴۵، دوسرا نسخہ: ۲۸۵۶، صحیح الحاکم علی شرط الشیخین ۳۳۰/۱ ح ۱۲۳۰، ووافقه الذہبی و سنده حسن، ثعلبہ بن عباد لیس بمجهول بل وثقه ابن خزيمة والترمذي وابن حبان وغيرهم و أخطأ من ضعفه)

(۱۵) جالندھری نے لکھا ہے:

”ترمذی کے دوسرے طریقہ میں عبدالرزاق بن ہمام اور معمر بن راشد دو راوی ضعیف ہیں۔ عبدالرزاق بن ہمام تو شیعہ تھا۔ قال النسائي فيه نظراً، قال العباس العنبري .. انه لكذابٌ والواقدي اصدق منه . كان عبدالرزاق كذاباً يسرق الحديث“ (تہذیب التہذیب جلد ۶ ص ۲۷۸ زیر نام عبدالرزاق بن ہمام عبد التواب اکیڈمی ملتان) کہ نسائی کے نزدیک وہ قابل اعتبار نہیں اور عباس عنبری کہتے ہیں کہ وہ کذاب تھا اور واقدی سے بھی زیادہ جھوٹا تھا۔ یہ شخص کذاب تھا اور حدیث چوری کیا کرتا تھا۔“

(القول البین ص ۶۷-۶۸)

امام عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی البیہقی رحمہ اللہ کو امام یحییٰ بن معین، عجل، یعقوب بن شبیبہ، ابن حبان، ابن شاپین، دارقطنی، بیہقی اور جمہور محدثین نے ثقہ و صدوق قرار دیا۔ دیکھئے میری کتاب: تحقیقی، اصلاحی اور علمی مقالات (ج ۱ ص ۴۰۴-۴۰۸)

جمہور کے مقابلے میں عباس بن عبد العظیم سے کذاب والی جو جرح مروی ہے (الضعفاء للعقيلي ۱۰۹/۳، الکامل لابن عدي ۱۹۴۸/۵، دوسرا نسخہ ۵۳۸/۶) اسے حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب (ج ۶ ص ۲۸۱) میں بغیر کسی سند کے نقل کیا ہے، عقيلي اور ابن عدي والی سند میں محمد بن احمد بن حماد الدولابی بذاتہ خود قول راجح میں ضعیف راوی ہے (و أخطأ من زعم خلافه) لہذا یہ جرح عباس مذکور سے ثابت ہی نہیں ہے۔

حدیث چوری کرنے والی جرح کا راوی ابو عبد اللہ النخعی حسین بن محمد بن خسر و بذاتِ خود ضعیف تھا لہذا یہ جرح بھی غیر ثابت و مردود ہے۔

امام نسائی نے فرمایا: ”فیہ نظر لمن کتب عنه بآخرہ“

جس نے اُن سے آخر دور میں لکھا ہے اُس میں نظر ہے۔ (کتاب الضعفاء: ۳۷۹)

یعنی اس جرح کا تعلق اختلاط سے ہے اور ترمذی والی روایت میں اختلاط کا نام و نشان نہیں، اسے عبد الرزاق سے محمود بن غیلان نے روایت کیا ہے۔

(سنن الترمذی: ۲۲۱۸ وقال: هذا حديث حسن صحيح)

محمود بن غیلان کی عبد الرزاق بن ہمام سے روایت اختلاط سے پہلے کی ہے، جس کی دلیل یہ ہے:

بخاری اور مسلم نے محمود سے عبد الرزاق کی روایات صحیحین میں بیان کیں اور کسی محدث نے محمود بن عبد الرزاق کی روایات پر جرح نہیں کی۔

تیس دجالوں والی روایت امام عبد الرزاق سے امام احمد بن حنبل نے بھی بیان کی۔

(دیکھئے مسند احمد ۲/۳۱۳ ح ۸۱۳۷)

اور محدث ابن ابی ناسی نے فرمایا کہ ”و ممن سمع منه قبل الإختلاط أحمد و إسحاق ابن راهويه و علي بن المديني و يحيى بن معين و وكيع بن الجراح في آخرين..“ اُن کے اختلاط سے پہلے احمد (بن حنبل) اسحاق بن راہویہ، علی بن المدینی، یحییٰ بن معین، وکیع بن الجراح اور دوسرے لوگوں نے سنا ہے۔ الخ

(الکواکب البیرات فی معرفۃ من اختلف من الرواة الثقات لابن الکیال ص ۵۳)

لہذا یہاں اختلاط کا الزام سرے سے باطل ہے۔

تنبیہ: عبد الرزاق کی بیان کردہ روایت اُن کی پیدائش سے بہت عرصہ پہلے لکھے جانے والے الصحیفۃ الصحیحہ للامام ہمام بن منبہ (ح ۲۴) میں بھی موجود ہے۔ والحمد للہ

جمہور کے نزدیک ثقہ و صدوق راوی پر شیعہ وغیرہ کے الفاظ والی جرح بھی مردود ہوتی

ہے۔ دیکھئے میری کتاب: علمی مقالات (ج ۱ ص ۴۰۹-۴۱۱)

۱۶) امام معمر بن راشد الازدی البصری البہمی رحمہ اللہ کو قادیانی کا ضعیف کہنا بھی باطل ہے۔ معمر بن راشد کو امام یحییٰ بن معین، عجل، یعقوب بن شبیبہ، نسائی، ابن حبان اور جمہور محدثین نے ثقہ و صدوق قرار دیا۔

دیکھئے حافظ مزنی کی کتاب: تہذیب الکمال (ج ۷ ص ۱۸۱-۱۸۳)

بخاری اور مسلم نے صحیحین کے اصول میں ان سے حدیثیں بیان کیں لہذا ایسے راوی پر بعض کی جرح مردود ہوتی ہے۔

۱۷) جالندھری قادیانی نے کہا:

”ان کے علاوہ سلیمان بن حرب اور محمد بن عیسیٰ بھی ضعیف ہیں۔ سلیمان بن حرب کے متعلق خود ابو داؤد کہتے ہیں کہ یہ راوی ایک حدیث کو پہلے ایک طرح بیان کرتا تھا لیکن جب کبھی دوسری دفعہ اسی حدیث کو بیان کرتا تھا تو پہلی سے مختلف ہوتی تھی اور خطیب کہتے ہیں کہ یہ شخص روایت کے الفاظ میں تبدیلی کر دیا کرتا تھا۔“ (تہذیب التہذیب جلد ۴ ص ۱۵۷-۱۵۸۔ زیر نام سلیمان بن حرب عبد التواب اکیڈمی ملتان)“ (القول لمبین ص ۶۸)

عرض ہے کہ صحیحین کے بنیادی راوی امام سلیمان بن حرب البصری رحمہ اللہ کو یعقوب بن شبیبہ، نسائی، ابن سعد، ابن حبان اور جمہور محدثین نے ثقہ قرار دیا ہے۔

دیکھئے تہذیب التہذیب (ج ۴ ص ۱۵۸)

اس توثیق کو چھپا کر قادیانی نے کتمان حق کیا ہے۔

امام سلیمان بن حرب پر امام ابو داؤد کی طرف منسوب جرح ابو عبیدہ الآجری کی وجہ سے ثابت نہیں، وجہ یہ ہے کہ یہ آجری بذات خود مجہول تھا۔

خطیب بغدادی کا روایت بالمعنی والی جرح کرنا دو وجہ سے مردود ہے:

اول: یہ جمہور کی توثیق کے خلاف ہے۔

دوم: روایت بالمعنی جرم نہیں بلکہ جائز ہے، بشرطیکہ راوی ثقہ و صدوق ہو اور اس کی روایت

میں کوئی علتِ قادحہ یا شنوؤ ثابت نہ ہو۔ یاد رہے کہ اس روایت میں امام سلیمان بن حرب رحمہ اللہ منفر و نہیں بلکہ دوسرے ثقہ راویوں نے بھی یہی روایت بیان کی ہے۔ دیکھئے فقرہ: ۱۸: تنبیہ: محمد بن عیسیٰ بن شیح رحمہ اللہ کو ابو حاتم الرازی اور ابن حبان وغیرہم نے ثقہ قرار دیا ہے اور میرے علم کے مطابق کسی نے بھی اُن پر جرح نہیں کی لہذا انھیں ضعیف کہنا باطل اور مردود ہے۔

۱۸) قادیانی نے کہا: ”محمد بن عیسیٰ کے متعلق خود ابو داؤد کہتے ہیں ”ربما يدللس“ (تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۳۴۸ زیر نام محمد بن عیسیٰ عبد التواب اکیڈمی ملتان) کہ کبھی کبھی تدلیس کر لیا کرتا تھا۔“ (القول المبین ص ۶۸) عرض ہے کہ روایت مذکورہ میں ابو جعفر محمد بن عیسیٰ بن شیح البغدادی ابن الطباع نے ”حدثنا“ کہہ کر سماع کی تصریح کر دی ہے لہذا یہاں تدلیس کا اعتراض کرنا خیانت ہے۔ دوسرے یہ کہ یہی روایت امام حماد بن زید سے محمد بن عیسیٰ کے علاوہ درج ذیل راویوں نے بھی بیان کی ہے:

(۱) سلیمان بن حرب (سنن ابی داؤد: ۴۲۵۲)

(۲) قتیبہ بن سعید (سنن ترمذی: ۲۲۱۹)

(۳) حجاج بن منہال الانماطی (دلائل النبوة للبیہقی ۵۲۷/۶) وغیرہم۔

۱۹) اللہ داتا قادیانی جالندھری نے لکھا ہے: ”ابو داؤد کے دوسرے طریقہ میں عبد العزیز بن محمد اور العلاء بن عبد الرحمن ضعیف ہیں۔ عبد العزیز بن محمد کو امام احمد بن حنبل نے خطا کار۔ ابو ذر نے ”سئى الحفظ“ اور نسائی نے کہا ہے کہ ”لیس بالقوی“ (قوی نہیں) ابن سعد کے نزدیک ”کثیر الغلط“ تھا (تہذیب التہذیب جلد ۶ ص ۳۱۵ زیر نام عبد العزیز بن محمد عبد التواب اکیڈمی ملتان)“ (القول المبین ص ۶۸)

عرض ہے کہ امام عبد العزیز بن محمد الدر اور دی رحمہ اللہ کو امام یحییٰ بن معین، عجل، امام مالک اور جمہور محدثین نے ثقہ قرار دیا ہے۔ دیکھئے تہذیب التہذیب (ج ۶ ص ۳۱۵-۳۱۶، دوسرا

نسخہ ۶ ص ۳۵۴-۳۵۵) اور ہمارا رسالہ ماہنامہ الحدیث حضور (۶۹ ص ۳۷-۴۴)
لہذا اُن پر بعض علماء کی جرح مرجوح اور غلط ہے۔

دوسرا یہ کہ امام احمد اور امام نسائی دونوں سے عبدالعزیز کی توثیق بھی مروی ہے اور ابن
سعد نے انھیں ثقہ بھی لکھا ہے لہذا جمہور علماء کی توثیق کے مقابلے میں یہ تین اقوال پیش نہیں
کئے جاسکتے۔ تیسرا یہ کہ سنن ابی داود (۴۳۳۳) والی یہی حدیث درج ذیل اماموں نے بھی
العلاء بن عبد الرحمن بن یعقوب رحمہ اللہ سے بیان کی ہے:

(۱) شعبہ بن الحجاج (مسند احمد ج ۲ ص ۴۵۷ ح ۹۸۹۷)

(۲) اسماعیل بن جعفر بن ابی کثیر (مسند ابی یعلیٰ الموصلی ج ۱ ص ۳۹۴ ح ۶۵۱۱)

۲۰) العلاء بن عبد الرحمن کے بارے میں قادیانی معترض نے لکھا ہے:

”اسی طرح ابوداؤد والی روایت کا دوسرا راوی العلاء بن عبد الرحمن بھی ضعیف ہے کیونکہ اس
کے متعلق ابن معین کہتے ہیں ”ھُوَ لاء الاربعة ليس حديثهم حجة“ (۱) سہل بن
ابی صالح (۲) العلاء بن عبد الرحمن (۳) عاصم بن عبيد الله (۴) ابن عقيل
(تہذیب التہذیب جلد ۶ ص ۱۳-۱۵) ان چاروں کی حدیث حجت نہیں ہے۔ پس جہاں
تک راویوں کا تعلق ہے یہ روایت قابل استناد نہیں۔“ (القول المبین ص ۶۸-۶۹)
عرض ہے کہ علاء بن عبد الرحمن کے حالات تہذیب التہذیب کی آٹھویں جلد میں
ہیں۔ انھیں امام احمد بن حنبل، ابن حبان، ابن سعد، ترمذی اور جمہور محدثین نے ثقہ قرار دیا۔
(دیکھئے تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۱۶۶-۱۶۷)

لہذا اُن پر جرح مردود ہے۔

امام ابن معین نے ایک قول میں علاء بن عبد الرحمن کو ”ليس به بأس“ کہا۔

(تاریخ عثمان بن سعید الداری: ۶۲۳، اور تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۱۶۶)

لہذا اُن کا علاء کو ضعیف کہنا مطلقاً نہیں بلکہ سعید المقبری کے مقابلے میں ہے۔
دیکھئے تہذیب التہذیب (ج ۸ ص ۱۶۷)

اور اگر کوئی شخص اسے مطلق سمجھتا ہے تو یہ قول جمہور کے خلاف ہونے اور بذاتِ خود توثیق سے معارض و متناقض ہونے کی وجہ سے مرجوح و غلط ہے۔

فائدہ: امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ”إذا قلت: ليس به بأس فهو ثقة“ جب میں لیس بہ بأس کہوں تو وہ (راوی) ثقہ ہوتا ہے۔

(التاریخ الکبیر لابن ابی غیثمہ ص ۵۹۲ فقرہ: ۱۴۲۳، الکفایہ للخطیب البغدادی ص ۲۲ وسندہ صحیح)
قارئین کرام! آپ نے دیکھ لیا کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہما کی صحیح احادیث پر جرح کرتے ہوئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے کتنی خیانتیں کی ہیں اور مسلمانوں کو دھوکا دینے کی کوشش کی ہے، حالانکہ یہ احادیث بلا شک و شبہ صحیح اور حجت ہیں۔ واللہ
رہ گیا مسئلہ آیات قرآنیہ اور احادیث صحیحہ کے بارے میں قادیانیوں کی باطنی تحریفات معنویہ تو یہ سلف صالحین کے متفقہ فہم کے مقابلے میں سرے سے مردود اور باطل ہیں۔
خاتم النبیین کا معنی آخری نبی ہی ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
(وَأَنَا آخِرُ الْأَنْبِيَاءِ)) اور میں آخری نبی ہوں۔ (السنة لابن عاصم: ۳۹۱ وسندہ صحیح)
اور اسی پر اُمتِ مسلمہ کا اجماع ہے۔

عیسیٰ بن مریم علیہ السلام جو ہمارے نبی ﷺ سے پہلے نبی تھے، قیامت سے پہلے آسمان سے نازل ہوں گے۔

آسمان سے نزول کے حوالے کے لئے دیکھئے کشف الاستار عن زوائد البزازی (۱۴۲/۴)۔
۱۴۳۲ھ ۳۳۹۶ وسندہ صحیح) اور میری کتاب: علمی مقالات (ج ۱ ص ۱۱۱-۱۱۲)
قیامت سے پہلے تیس (۳۰) دجال آئیں گے، جن کی متعین و موسوم بالاسماء تعداد کا علم اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے اور مسلمانوں کے اجماع سے یہ ثابت ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی بھی ان تیس دجالوں میں سے ایک دجال تھا۔ و ما علینا إلا البلاغ
(۴/مارچ ۲۰۱۰ء)

[ختم شد]

ابوالاسجد محمد صدیق رضا

جماعت المسلمین (رجسٹرڈ) کے چند اصول

اور تکفیر اصحاب رسول (قسط: ۱)

[مسعود احمد بی ایس سی کراچی نے ایک اصول بنایا کہ جماعت المسلمین رجسٹرڈ کے امیر کی بیعت شرط ایمان ہے اور جو شخص یہ بیعت نہ کرے وہ مسلم نہیں ہے۔ اس باطل اصول سے صحابہ کرام اور اُمت مسلمہ کے ایک بڑے حصے کی تکفیر لازم آتی ہے، لہذا محترم محمد صدیق رضا حفظہ اللہ نے اس مضمون میں جماعت المسلمین رجسٹرڈ کے لٹریچر کی روشنی میں اس باطل اصول کا زبردست رد کیا ہے۔

ہمارے پاس مذکورہ لٹریچر کی بعض کتب و کتابچوں کے نہ ہونے کی وجہ سے تمام حوالوں اور جملہ عبارات کی ذمہ داری صاحب مضمون پر ہی ہے۔ / حافظ ندیم ظہیر [فرقہ مسعودیہ نام نہاد جماعت المسلمین کے لٹریچر سے واقفیت رکھنے والے اس بات سے بخوبی آگاہ ہیں کہ یہ درحقیقت ایک تکفیری گروہ ہے، اگرچہ بظاہر مسعود صاحب نے ”اہل حق“ کی عملی تربیت و اصلاح کے لئے اس پارٹی کی بنیاد رکھی، لیکن تھوڑے ہی عرصے بعد اپنے عجیب و غریب نظریات اور تکفیری رجحانات کی وجہ سے اپنی خود ساختہ جماعت (جماعت المسلمین رجسٹرڈ) کو اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی جماعت اور اس میں شمولیت کو فرض و واجب قرار دے دیا۔ اس سلسلے میں اس قدر تعصب و غلو کا شکار ہوئے کہ یہ بات ان کے نزدیک مسلم یا غیر مسلم ہونے کا معیار اور کسوٹی بن گئی۔ اُن کے نزدیک یہ اعتقادات و ایمانیات کا مسئلہ اور شرائط ایمان کا جز بن گیا۔

بانی فرقہ نے اپنے فرقے کی ترقی و فروغ کے لئے قرآن و سنت کی بعض نصوص کو سلف صالحین کے منہج کے مطابق سمجھنے کے بجائے اپنے من مانے جدید ترین مفہوم میں پیش

کرنے سے بھی گریز نہ کیا، ایسی ایسی شرائط عائد کیں اور ایسے ایسے اصول وضع کیے کہ اہل اسلام کا کوئی فرد خواہ ایمان و تقویٰ کے کتنے ہی بلند درجہ پر فائز ہو لیکن جب تک ان کی بنائی ہوئی پارٹی میں شامل نہ ہو وہ ادنیٰ ترین مسلم و مومن کا درجہ بھی حاصل نہ کر پائے، بطور ثبوت ان کی چند تحریریں ملاحظہ کیجیے:

۱: مسعود صاحب ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں:

”... اگر وہ مسلم ہے اور اس دین کو مانتا ہے جو آسمان سے نازل ہوا ہے تو اسی دین میں یہ موجود ہے کہ واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا کہ اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوطی سے پکڑو اور فرقے نہ بنو! خروہ اس آیت پر عمل کیوں نہیں کرتا اگر وہ نہیں کرتا تو بظاہر وہ اس آیت کا منکر ہے اسی لئے وہ اس حکم پر عمل نہیں کرتا اور وہ اس حدیث پر عمل کیوں نہیں کرتا تلزم جماعت المسلمین یعنی جماعت المسلمین کو لازم پکڑو۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ نہ قرآن مجید پر عمل کرتا ہے اور نہ حدیث پر عمل کرتا ہے تو پھر کس کام کا مسلم ہے؟ اس کا محض فرقوں سے بیزار ہونا اس کے مسلم ہونے کی دلیل نہیں۔“

(جماعت المسلمین پر اعتراضات اور ان کے جوابات ص ۴۲)

اسی طرح ایک اور مقام پر لکھتے ہیں: ”غلط فہمی نمبر ۴ جو شخص تمام فرقوں سے علیحدہ ہو کر صرف قرآن و حدیث پر عمل کرے وہ مشرک نہیں۔ میں اسے مسلم سمجھتا ہوں۔“

ازالہ ایسا شخص نہ قرآن مجید پر عمل کرتا ہے اور نہ حدیث پر۔ قرآن مجید میں ہے: واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا۔ اس کا عمل اس آیت پر نہیں۔ حدیث میں ہے تلزم جماعة المسلمین۔ اس کا عمل اس حدیث پر نہیں تو پھر یہ کہنا کہ وہ قرآن و حدیث پر عمل کرتا ہے صحیح نہیں۔“

(وقار علی صاحب کا خروج ص ۸ طبع جدید ص ۵-۶، اعتراضات اور ان کے جوابات ص ۶، جماعت المسلمین کی دعوات اور تحریک اسلام کی آئینہ دار ہیں ص ۵۳۱-۵۳۲)

تعصب و غلو کی انتہا ملاحظہ کیجیے کہ فرقوں سے علیحدہ ہو کر صرف قرآن و حدیث پر عمل پیرا شخص کو ”مسلم“ سمجھنا مسعود صاحب اور ان کے قائم کردہ فرقے کے نزدیک ”غلط فہمی“ ہے چونکہ ان کے ہاں تو قرآن و حدیث پر عمل کی یہی ایک صورت ہے کہ ان کی ایجاد کردہ

رجسٹرڈ جماعت میں شامل ہو جائیے! پھر مسعود صاحب کا طرز استدلال بھی انتہائی عجیب ہے کہ ایک آیت وحدیث پیش کر کے کہہ دیا کہ اس پر عمل نہیں۔ ہر ہر آیت محکمہ وحدیث پر تو ان کی پارٹی کے تمام افراد بھی عمل پیرا نہیں پھر بھی انہیں مسلم سمجھتے رہنا ان کی ایک ”غلط فہمی“ نہیں تو اور کیا ہے؟ ان کے اس طرز استدلال کے مطابق تو شاید ہی کوئی فرد ”مسلم“ ثابت ہو سکے جب کوئی مسلم ہی نہیں ہوگا تو ”جماعت المسلمین“ کا وجود ثابت کرنا ایک مضحکہ خیز عمل ٹھہرے گا۔

ایک اور مقام پر مسعود صاحب لکھتے ہیں:

”اعتراض| دعوت میں مخالفین کو یہ کہنا کہ ہم تو قرآن وحدیث ہی پیش کرتے ہیں لوگ اپنی طرف لیں تو ہمارا کیا قصور حالانکہ جماعت میں آنے کے بعد مجھے واضح طور پر معلوم ہو گیا ہے کہ آپ ان کو قرآن وحدیث نہیں سناتے بلکہ غیر مسلم ہی سمجھتے ہیں۔“

جواب| ”اگر سمجھیں تو کوئی بعد از دلیل بھی نہیں۔“ (اعتراضات اور ان کے جوابات ص ۳۵)

لیجیے واضح طور پر اعلان کر دیا کہ اپنے مخالفین کو ”غیر مسلم“ سمجھنا بعد از دلیل نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ دلیل سے ایسا ثابت ہے، اب معلوم نہیں کہ وہ دلیل کونسی ہے جس سے فرقہ مسعودیہ کے جمیع مخالفین ”غیر مسلم“ ثابت ہوتے ہیں؟ ان کے امام ثانی محمد اشتیاق صاحب لکھتے ہیں:

”اگر آپ یہ کہیں کہ یہ فرقہ پرست مسلم ہیں یہ بھی جماعت المسلمین ہیں تو آپ کا یہ استدلال احادیث کے خلاف ہوگا۔“ (ایک معترض کی غلط فہمیاں ص ۹)

رجسٹرڈ جماعت کے اس طرح کے غالیانہ، متعصبانہ اور متشددانہ اقوال و فتاویٰ جات کا ایک طویل سلسلہ ہے کہاں تک ان کا تذکرہ کیا جائے؟!۔

فی الوقت ان کے چند ایسے اصول کا تذکرہ مقصود ہے کہ جو انہوں نے اپنے مخالفین کے لئے وضع کیے جن سے موجودہ پوری کی پوری امت مسلمہ کے اسلام و ایمان کی نفی اور ان کا ”کافر“ ہونا تو لازم آتا ہے۔ ساتھ ساتھ گزشتہ امت مسلمہ بالخصوص بہت سے اصحاب

رسول ﷺ کے ایمان و اسلام کی نفی اور ان کا بھی ”کافر“ ہونا لازم آتا ہے۔ (نعوذ باللہ)
واضح رہے کہ یہ محض مخالفت برائے مخالفت کا شاخسانہ اور پروپیگنڈا نہیں بلکہ ایک
بین اور ٹھوس حقیقت ہے، جس کا مکمل ثبوت اور تفصیل خود انہی کے لٹریچر اور تحریروں سے
ملاحظہ کر لیجیے، ان کا ایک اصول یہ ہے:

۱: امیر کی نافرمانی اسلام کو چھوڑ دینا ہے۔

اس سلسلے میں مسعود صاحب کی تحریروں کے چند اقتباسات ملاحظہ کیجیے، لکھتے ہیں:

① ”جماعت المسلمین ہی وہ واحد جماعت ہے جو امیر کو وہ حیثیت دیتی ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے
رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔..... جماعت المسلمین امیر کی اطاعت کو فرض سمجھتی ہے۔ امیر کی
نافرمانی گویا جماعت کو چھوڑنا ہے اور جماعت کو چھوڑنا جاہلیت کی موت کو دعوت دینا ہے یعنی اسلام کو
چھوڑنا ہے۔ کوئی جماعت یا فرقہ ایسا نہیں جو امیر کی اطاعت کو ایسی اہمیت دیتا ہو“

(جماعت المسلمین کا تعارف ص ۸۶ تا ۸۷، جماعت المسلمین کی دعوات ص ۲۱-۲۲)

② ”جماعت کو چھوڑنے والے نے پوری طرح نہیں صرف ایک بالشت جماعت کو چھوڑ دیا تو گویا اس
نے اسلام کو چھوڑ دیا۔ بتائیے اسلام کو چھوڑنے والا کیا ہوتا ہے؟ ایک بالشت چھوڑنے کا تو یہ حشر ہے اور جو
پوری طرح جماعت کو چھوڑ دے وہ کیا ہوگا؟“ (اعتراضات اور ان کے جوابات ص ۶-۷)

③ نیز لکھتے ہیں: ”معلوم ہوا کہ لزوم جماعت کے سلسلہ میں اس قدر پابندی کہ امیر کی کسی مکروہ
سے مکروہ بات پر بھی صبر کی تلقین کی گئی ہے جماعت کو کسی حالت میں بھی چھوڑنے کی سختی سے ممانعت کی گئی
ہے اور علیحدگی جاہلیت کی موت قرار دی گئی ہے۔ جاہلیت کی موت سے مراد زمانہ جاہلیت کی موت ہے جو
حالت کفر کی موت ہے“ (اعتراضات اور ان کے جوابات ص ۱۵)

④ ان کے امام ثانی محمد اشتیاق صاحب لکھتے ہیں:

”مطلب یہ ہوا کہ بیعت توڑنا، ایک بالشت جماعت چھوڑنا، ایک بالشت امیر کی اطاعت نہ کرنا اور امیر
جماعت کا کسی پر نہ ہونا سزا کے لحاظ سے ایک ہی ہیں یعنی وہ اسلام سے خارج ہے۔“

(بہ حکومت امیر کی بیعت کرنا ص ۴۶)

۵ مزید لکھتے ہیں: ”جو شخص امیر کی اطاعت سے ہاتھ کھینچ لے تو اس کی موت کفر کی موت ہے“
(تحقیق مزید میں تحقیق کا فقدان ص ۴۱)
ان اقتباسات سے واضح طور پر ان کا یہ اصول معلوم ہوتا ہے کہ ”امیر سے بالشت برابر بھی دور ہونا اسلام کو چھوڑ دینا ہے“ ایسا شخص ”اسلام سے خارج“ ہو جاتا ہے اور ”کفر کی موت مرتا“ ہے۔ اس کے بعد ان کا ایک اور اصول ملاحظہ کیجیے:

۲: امیر کی بیعت شرط ایمان ہے۔

بانی فرقہ مسعود احمد صاحب اور ان کی بنائی ہوئی رجسٹرڈ جماعت کے لوگ امیر کی بیعت کو شرط ایمان سمجھتے ہیں۔ اس کے بغیر کوئی بھی فرد ”مسلم“ نہیں ہو سکتا۔
اس سلسلہ میں ان کے مختلف کتابچوں سے چند اقتباسات ملاحظہ کیجئے:

① مسعود صاحب لکھتے ہیں: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: من مات ولیس فی عنقه بیعة مات میتة جاهلیة (صحیح مسلم) اس حدیث کی رو سے بیعت شرائط ایمان میں سے ہے ورنہ جاہلیت کی موت مرے گا یعنی کفر کی موت مرے گا۔ کفر کی موت سے بچنے کے لئے بیعت شرط ہے۔“

(وقار علی صاحب کا خروج ص ۷، ۸، طبع جدید ص ۵، جماعت المسلمین کی دعوات ص ۵۳۱)

② نیز لکھتے ہیں: ”جاہلیت کی موت سے مراد ایام جاہلیت کی موت ہے یعنی کفر کے زمانے کی موت..... فقد خلع ربقۃ الاسلام من عنقه (ترمذی وسندہ صحیح) اس حدیث نے تشریح کر دی کہ جاہلیت کی موت سے مراد اسلام پر مرنے کا نہیں ہے بلکہ اسلام چھوڑ کر مرنے کا ہے۔“

(اعتراضات اور ان کے جوابات ص ۲۲)

اشتقاق صاحب کی گھڑی ہوئی ایک حدیث:

③ اشتقاق صاحب نے اس سلسلہ میں ایک حدیث وضع کرتے ہوئے لکھا:

”محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر کی بیعت نہ کرنے والوں کو اسلام سے خارج قرار دیا۔“

(بے حکومت امیر کی بیعت ص ۴۶)

اشتقاق صاحب نے اپنی گھڑی ہوئی اس حدیث کا کوئی حوالہ نہ دیا اور نہ دے سکتے

ہیں، ان شاء اللہ۔ ”اسلام سے خارج“ سمجھنا تو بانی فرقہ کا فہم ہے لیکن اشتیاق صاحب نے اسے ”حدیث رسول“ ﷺ بنا ڈالا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

اگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے بیعت نہ کی تو؟

مسعود صاحب اور ان کے موجودہ امیر صاحب کی تحریروں سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ ان کے ہاں ”امیر کی بیعت“ شرط ایمان ہے، جس کسی نے بیعت نہ کی وہ اسلام کو چھوڑ کر کفر کی موت مرے گا اور اشتیاق صاحب کی ایجاد کردہ حدیث کے مطابق وہ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔ ان کے ہاں ان کا یہ قانون و اصول بالکل یقینی اور اٹل ہے، کسی کے لئے کوئی استثناء نہیں حتیٰ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مقدس جماعت ہی میں سے کیوں نہ ہو۔!

ان کے لئے بھی یہی قانون ہے مسعود صاحب نے بڑی دیدہ دلیری سے اس بات کا صاف صاف اظہار کرتے ہوئے لکھا: ”ہم کہتے ہیں حضرت سعدؓ کی ذات بیعت نہ کرنے کے الزام سے پاک ہے لہذا وہ جاہلیت کی موت سے مبرا ہیں۔ صلاح الدین صاحب کہتے ہیں الزام تو صحیح ہے لیکن وہ جاہلیت کی موت سے پھر بھی مبرا ہیں۔ معلوم نہیں کیوں؟“ (الجماعۃ ص ۵۶)

② اسی طرح لکھتے ہیں: ”کیا حضرت ابو بکرؓ الجماعۃ کے امیر نہیں تھے۔ اگر تھے اور یقیناً تھے تو پھر ان کی بیعت نہ کرنے کی وجہ سے حضرت عبادہ بن صامتؓ جاہلیت کی موت کیوں نہ مرے؟ کیا ان کے لیے اللہ تعالیٰ کا قانون بدل جائے گا؟“ (الجماعۃ ص ۲۰-۲۱)

③ مزید لکھتے ہیں: ”بالفرض محال اگر حضرت عبادہ بن صامتؓ نے بیعت نہیں کی تو کیا جاہلیت کی موت مرنے کا قانون بدل جائے گا۔ ہرگز نہیں۔ قانون قانون ہی رہے گا۔ بیعت نہ کرنے کے فعل کو صحابی کی غلطی تصور کیا جائے گا۔“ (الجماعۃ ص ۲۱)

مسعود صاحب کی ان تحریروں سے واضح ہوتا ہے کہ ان کا یہ قانون بالکل اٹل ہے، معاملہ خواہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ہو۔ ان کا قانون قانون ہی رہے گا، مندرجہ بالا تفصیل کی روشنی میں ان کے چند اصول واضح ہو جاتے ہیں جو کچھ اس طرح سے ہیں:

۱: جو شخص بھی جماعت سے بالشت برابر بھی علیحدہ ہو وہ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔

۲: جو شخص بھی امیر کی بیعت نہ کرے وہ اسلام سے خارج اور کفر کی حالت میں کفر کی موت مرے گا۔

۳: جس شخص پر بھی ”امیر جماعت“ نہ ہو وہ اسلام سے خارج ہے۔

بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کا جماعت سے دور ہونا اور بیعت نہ کرنا:

ان کے ان اصولوں پر موجودہ دور کے تمام اہل اسلام خواہ ان میں اعتقادی و عملی گمراہی کا وجود نہ بھی ہو، ان اصولوں کے سبب دائرہ اسلام سے خارج اور کافر ٹھہرتے ہیں۔ اسی طرح گزشتہ کئی صدیوں کے اہل اسلام بھی حتیٰ کہ بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی۔ (نعوذ باللہ)

اب خود مسعود صاحب ہی کی تحریروں سے چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جماعت سے دور رہنا اور امیر کی بیعت نہ کرنا ملاحظہ کیجیے اس کے بعد ان شاء اللہ ان کے اس موقف کا بطلان بھی واضح کر دیا جائے گا۔

۱: سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی تکفیر:

رجسٹرڈ جماعت کے اصولوں کے مطابق سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد تقریباً چھ مہینوں تک اسلام سے خارج رہے۔ چونکہ مسعود صاحب لکھتے ہیں:

”حضرت فاطمہؓ کی وفات اور حضرت علیؓ کا بیعت نہ کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے چھ مہینے بعد حضرت فاطمہؓ کا انتقال ہو گیا۔ حضرت علیؓ نے حضرت ابوبکرؓ کو اطلاع نہ دی اور خود ہی نماز جنازہ پڑھا کر رات کے وقت انہیں دفن کر دیا۔

حضرت فاطمہؓ کی زندگی میں حضرت علیؓ کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ جب ان کا انتقال ہو گیا تو حضرت علیؓ نے لوگوں کے چہروں میں خفگی کے آثار دیکھے کیونکہ انہوں نے ابھی تک بیعت نہیں کی تھی (حضرت فاطمہؓ کی زندگی میں ان کی تیمارداری کی وجہ سے لوگوں نے ان کو معذور سمجھا تھا لیکن اب یہ بات لوگوں کو ناگوار تھی).....

حضرت ابوبکرؓ کی اس وضاحت کے بعد حضرت علیؓ نے فرمایا ”میں (آج) زوال کے بعد (تمام لوگوں کی موجودگی میں) بیعت کر لوں گا۔“ حضرت ابوبکرؓ نے ظہر کی نماز پڑھائی نماز سے فارغ ہو کر آپ منبر پر

تشریف لے گئے۔ تشہد پڑھا۔ پھر حضرت علیؓ کی کیفیت، بیعت کرنے میں تاخیر اور ان کی معذرت بیان کی۔ پھر حضرت علیؓ نے (تقریر کی) تشہد پڑھا، مغفرت کی دعاء کی اور حضرت ابوبکرؓ کی عظمت بیان کی، پھر فرمایا ”بیعت کرنے میں اس وجہ سے دیر نہیں ہوئی کہ ہمیں ابوبکرؓ سے اس معاملہ میں کسی قسم کا حسد تھا.....“ حضرت علیؓ کی اس تقریر (اور بیعت) کے بعد تمام مسلمین ان سے خوش ہو گئے۔ سب نے کہا ”تم صحیح بات کو پہنچ گئے۔“ الغرض اس نیک کام کی طرف رجوع کرنے کے بعد تمام مسلمین ان سے (حسب سابق) محبت کرنے لگے۔

مندرجہ بالا واقعہ پر تبصرہ اس واقعہ سے مندرجہ ذیل باتیں ثابت ہوئیں:-
(۱) حضرت علیؓ نے ملال کی وجہ سے بیعت میں دیر کی۔

.....

(۵) حضرت ابوبکرؓ اور تمام صحابہ کرامؓ قرابت رسولؐ کا کتنا احترام کرتے تھے کہ حضرت فاطمہؓ کی زندگی میں حضرت علیؓ سے نفار نہیں ہوئے بلکہ ان کی قدر و منزلت کرتے رہے۔

.....

(۱۱) حضرت علیؓ نے اپنی غلطی تسلیم کر لی اور اپنی تقریر میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کی۔“

(صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین ص ۶۸۳-۶۸۴)

تنبیہ: مسعود صاحب نے یہ واقعہ صحیح بخاری کتاب المغازی، باب غزوہ خیبر اور صحیح مسلم، کتاب الجہاد، باب قول النبی ﷺ لا نورث عن عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا۔ گویا یہ متفق علیہ روایت ہے۔ صحیحین کی اس مستند و متفق علیہ روایت اور مسعود صاحب و رجسٹرڈ جماعت کے ہاں صحیح ترین تاریخ ان کی اپنی کتاب ”صحیح تاریخ الاسلام“ کے بیان کے مطابق سیدنا علیؓ نے چھ مہینوں تک بیعت سے تحلف فرمایا، بیعت نہیں کی بقول مسعود صاحب ملال کی وجہ سے بیعت میں دیر کی.....

اس طرح رجسٹرڈ جماعت کے اصول کے مطابق سیدنا علیؓ چھ مہینوں تک اسلام سے خارج رہے۔ (نعوذ باللہ) اور پھر بیعت کی تو اسلام میں داخل ہوئے، شرائط ایمان کی تکمیل

کے لئے نہیں بلکہ مسعود صاحب کے بقول (تاکہ لوگوں کی ”ناراضگی“ کا سبب ختم ہو جائے)
(نعوذ باللہ من هذه الخرافات)

اس دوران میں لوگ ان سے ناراض و نالاں رہے۔ لیکن کسی نے بھی انہیں یہ نہیں کہا کہ جی! آپ شرائطِ ایمان کی تکمیل کیوں نہیں کرتے؟ اسلام سے خارج کیوں ہیں؟ پھر مسعود صاحب نے بریکٹ میں اتنے عرصے تک بیعت نہ کرنے کے باوجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے انہیں معذور سمجھے جانے کی جو تاویل و توجیہ بیان کی کہ ”تیمارداری کی وجہ سے معذور سمجھے گئے“ لہذا بیعت کو شرطِ ایمان ٹھہرانے اور اس کے بغیر کسی بھی مسلم کو خارج از اسلام گرداننے کے بعد یہ تاویل بھی لغو و باطل ثابت ہوتی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ وہ محض اتنی سی بات کی وجہ سے ایک جلیل القدر صحابی کا ”اسلام سے خارج رہنا“ کو برداشت کر لیں اور امر بالمعروف کا فریضہ ادا کرتے ہوئے انہیں شرائطِ ایمان کی تکمیل اور اسلام میں داخل ہونے کی نصیحت نہ کریں۔ بھلا ”تیمارداری“ بھی کوئی ایسا مسئلہ ہے کہ شرطِ ایمان کی تکمیل اور اسلام سے خارج رہنے کے لئے عذر بن سکے؟!

ایں خیال است، محال است وجنوں

البتہ سیدنا ابوبکر و عمر سمیت جمیع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طرزِ عمل سے واضح ہوتا ہے کہ خلیفہ کی بیعت نہ تو شرطِ ایمان ہے اور نہ اس کے بغیر کوئی فرد اسلام سے خارج قرار دیا جاسکتا ہے۔ یہ محض مسعود صاحب اور رجسٹرڈ جماعت کے توہمات و خیالاتِ فاسدہ اور جدید ترین اختراعات، من گھڑت اور خود ساختہ افکار و نظریات ہیں۔ اگر معاملہ ان کی باطل سوچ کے مطابق ہی ہوتا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ ایک لمحہ کی بھی تاخیر نہ کرتے۔ آخر اس میں وقت ہی کتنا لگتا تھا؟

تنبیہ: مسعود صاحب نے اپنی کتاب ”الجماعۃ“ ص ۲۲ پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی فوری بیعت کا واقعہ نقل کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ مذکورہ بالا بیعت علی الاطلاق (علانیہ) بیعت تھی۔

صحیحین کی روایات اور مسعود صاحب کا اصول:

اس بیعت کی حقیقت سے قطع نظر اس موقع پر ہمیں صرف اتنا عرض کرنا مقصود ہے کہ بخاری و مسلم کی متفق علیہ روایت کے مقابلہ میں بیہتئی وغیرہ کی روایت پیش کرنا ان کے اپنے ایک محبوب و پسندیدہ ترین اصول کے سخت خلاف ہے۔ جس کے ذریعے سے یہ اپنے خلاف صحیح حدیث کو رد کرتے رہے ہیں۔ چونکہ ان کا یہ اصول ہے کہ صحیحین کی روایت سے ٹکرانے والی روایت ”معلول“ اور ساقط الاعتبار ہوگی۔ ان کا یہ اصول ان کے اپنے الفاظ میں ملاحظہ کیجیے۔ ایک صحیح حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

(۱) ”اس کا متن صحیحین کی حدیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے معلول اور ساقط الاعتبار ہے۔“

(حدیث تلوم جماعت المسلمین و امامہم پر اعتراض اور جواب ص ۵، جماعت المسلمین کی دعوات ص ۶۷)

(۲) مزید لکھتے ہیں: ”صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں لفظ ”امام“ ہے اور ابوداؤد میں لفظ خلیفہ ہے تو بتائیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کون سا لفظ اپنی زبان اقدس سے ادا فرمایا تھا۔ یقیناً وہی لفظ ادا فرمایا ہوگا جس لفظ پر صحیح بخاری اور صحیح مسلم متفق ہیں۔“ (الجماعۃ القدیمہ ص ۱۹)

(۳) نیز لکھتے ہیں: ”الغرض ابوداؤد کی حدیث صحیحین کی حدیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے معلول ہے اور مختلف المتن ہونے کی وجہ سے مضطرب ہے۔“

(جماعت المسلمین پر اعتراضات اور ان کے جوابات ص ۱۵، الجماعۃ القدیمہ ص ۱۹)

(۴) نیز لکھتے ہیں: ”عبداللہ صاحب! اس حدیث میں ”ائمۃ“ کا لفظ ہے جس کے معنی آپ نے ”حاکم“ کئے ہیں۔ حالانکہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں اس کے بجائے قَوْم کا لفظ ہے۔ بتائیے کون سا لفظ صحیح ہے۔“ (الجماعۃ القدیمہ ص ۱۹)

تنبیہ: مختلف المتن اور مضطرب ہونے کا اعتراض باطل ہے اور استاذی المحترم الشیخ عبداللہ دامانوی صاحب حفظہ اللہ نے موصوف کو اپنی کتاب: الجماعۃ الجدیدۃ (طبع مع خلاصۃ الفرقۃ الجدیدہ ص ۴۲) پر ان لغووالا یعنی باتوں کا ایسا علمی و مسکت جواب مرحمت فرمایا کہ پھر تادم مرگ مسعود صاحب پر سکوت طاری رہا اور اس کا جواب نہ بن پڑا۔

پھر ”ائمہ“ کا لفظ صرف سنن ابی داود ہی میں نہیں بلکہ صحیح مسلم (۱۸۴۷، ترقیم دارالسلام: ۲۷۸۵) میں بھی ہے۔ تو کیا مسلم کی حدیث بھی ضعیف و معلول ٹھہرے گی؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر ابوداود کی حدیث کیونکر معلول ہوگئی؟

۵: ایک اور مقام پر لکھتے ہیں: ”اعتراض | حضرت انسؓ کی روایت کو تمام محدثین نے بالاتفاق قبول کیا اور عیبر بن الاسود کی روایت کو امام بخاری کے سوا کسی محدث نے روایت نہیں کیا۔

جواب: یہ کوئی اعتراض نہیں..... مزید برآں امام بخاری اکیلے ہی سب پر بھاری ہیں۔ صحیح بخاری کی احادیث پر ان کے معاصر محدثین نے اتفاق کیا ہے لہذا حدیث کو صحیح کہنے والے صرف امام بخاری نہیں ہیں بلکہ سب محدثین ہیں۔“ (اعتراضات اور ان کے جوابات ص ۲۹-۳۰)

۶: ایک اور مقام پر لکھتے ہیں: ”قرآن مجید کے بعد صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا جو درجہ ہے وہ کسی پر خفی نہیں، جس تحقیق و تفتیش اور سخت شرائط کے ساتھ ان کتابوں کو مدون کیا گیا وہ اپنی نظیر آپ ہیں۔ لیکن افسوس کہ تاریخ کے سلسلہ میں اکثر لوگوں نے ان کتابوں سے بے اعتنائی کا ثبوت دیا۔ تاریخ کے ان واقعات کو بھی تسلیم کر لیا جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے متصادم تھے۔“ (صحیح تاریخ الاسلام مقدمہ ص ۳) ۷: اسی طرح لکھتے ہیں: ”تاریخی روایات متعدد مقامات پر صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی احادیث سے ٹکراتی ہیں اور یہ چیز اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ تاریخ کی اکثر روایات ناقابل اعتبار ہیں۔“

(صحیح تاریخ الاسلام مقدمہ ص ۷)

صحیح البخاری و صحیح مسلم کی اہمیت و حیثیت مسلم، معروف اور معلوم ہے لیکن مسعود صاحب کا یہ اصول ایک مشہور بات: ”کلمة حق أريد بها الباطل“ کے مصداق ہے۔ جب صحیح حدیث بظاہر قرآن مجید سے متعارض ہو تو ہم تطبیق دیتے ہیں پھر صحیح بخاری یا صحیح مسلم کی حدیث سے اگر کوئی روایت ٹکراتی محسوس ہو تو تطبیق کیوں نہ دی جائے؟

الختصر یہ کہ ٹکراؤ اور تصادم اور پھر اس بنا پر صحیح حدیث کو ساقط الاعتبار قرار دینے والا یہ مسعودی اصول سراسر باطل ہے۔ بہر حال مسعود صاحب کے مذکورہ بالا ان اقتباسات سے واضح ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک جو بھی حدیث صحیحین کے خلاف ہو تو وہ معلول یعنی ضعیف اور ساقط

الاعتبار ہوگی۔ اب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بیعت نہ کرنے سے متعلق صحیحین کی روایت ملاحظہ ہو: ”فلما توفیت استنکر علی وجوه الناس فالتمس مصالحة أبي بكر ومبايعته ولم يكن يبائع تلك الأشهر..... فلما صلى أبو بكر الظهر رقی علی المنبر فتشهد وذكر شأن علي وتحلفه عن البيعة وعذره بالذي اعتذر إليه“ جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا فوت ہوئیں تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے چہروں پر خفگی کے آثار دیکھے تو آپ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے صلح اور بیعت کی کوشش کی ان مہینوں میں سیدنا علی نے بیعت نہیں کی تھی..... جب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ظہر کی نماز پڑھائی تو منبر پر تشریف لائے، تشہد پڑھا، اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی کیفیت اور بیعت سے پیچھے رہ جانے اور ان کی معذرت کو بیان فرمایا۔ (صحیح بخاری: ۴۲۴۰؛ صحیح مسلم: ۱۷۵۹، دارالسلام: ۴۵۸۰)

اب مسعود صاحب پر اپنے مذکورہ بالا اصول کے مطابق لازم تھا کہ وہ بیہقی وغیرہ کی روایات کو صحیحین کی صریح روایت کے مقابلہ میں رد کر دیتے، جیسا کہ وہ بعض مقام پر اپنے موقف کے خلاف واقع ہونے والی صحیح احادیث کو اپنے اس باطل و خود ساختہ اصول کی بھینٹ چڑھا چکے ہیں۔ لیکن چونکہ یہاں بیہقی کی روایت ان کے حق میں جاتی ہے تو اس مقام پر ایسا نہیں کیا اور اپنے ہی تراشیدہ اصول کی مخالفت کر کے خود ہی اس کے بطلان کو طشت از بام کر دیا، حالانکہ وہ لکھتے ہیں: ”کسی اصول کو محض زبان سے تسلیم کرنا اور عملاً اس سے روگردانی کرنا حقیقت پسندی کے خلاف ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دل کی گہرائیوں سے یہ اصول تسلیم نہیں“ (دعوت حق ص ۴، جماعت المسلمین کی دعوات ص ۸۰)

مسعود صاحب کے اس طرز عمل سے واضح ہوتا ہے مسعود صاحب اور ان کی رجسٹرڈ جماعت نے بھی اپنے اصولوں کو دل کی گہرائیوں سے تسلیم نہیں کیا اور نہ ان لوگوں میں حقیقت پسندی کا کوئی عنصر ہے۔

خلاصہ یہ کہ مسعود صاحب کے اصول کے مطابق سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے چھ ماہ تک اپنے خلیفہ، امیر، امام کی بیعت نہیں کی تو مسعود صاحب اور رجسٹرڈ جماعت کے اصول نیز اشتقاق

صاحب کی گھڑی ہوئی روایت کے مطابق وہ چھ مہینوں تک ”اسلام سے خارج“ رہے۔!
(نعوذ باللہ من هذا الکفر و الضلالة)

سیدنا معاویہ اور ان کے ساتھی صحابہ رضی اللہ عنہم کی تکفیر:

اسی طرح ان کے زیر بحث اصولوں پر سیدنا معاویہ اور ان کے تمام ساتھی بالخصوص جنہیں شرف صحابیت حاصل تھا، رضی اللہ عنہم! جمعین بھی کافر ثابت ہوتے ہیں۔ (نعوذ باللہ)
چونکہ انہوں نے بھی خلیفہ وقت کی بیعت نہیں کی اور ان سے علیحدہ ہو گئے تھے۔ چنانچہ مسعود صاحب لکھتے ہیں: ”حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ خلیفہ ہوئے (لیکن حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کو سزا دینے کے سلسلہ میں اختلاف کی صورت پیدا ہو گئی، یہ اختلاف بھی درحقیقت اسی سازش کا کارنامہ تھا جو اسلامی حکومت کو تباہ کرنے کے لئے کی گئی تھی)

حضرت علیؓ کا خلوص اور اختلاف سے کراہت

حضرت علیؓ نے خلیفہ ہونے کے بعد اپنے امراء اور قاضیوں کو ہدایت کی کہ جس طرح تم اب تک فیصلہ کرتے رہے ہو کرتے رہو کیونکہ میں اختلاف کو ناپسند کرتا ہوں (اختلاف ختم کرنا میری سب سے اہم ذمہ داری ہے اور میں اس کوشش میں لگا رہوں گا) یہاں تک کہ تمام لوگ ایک جماعت بن جائیں یا میں (اسی کوشش و جدوجہد میں) مر جاؤں جس طرح میرے ساتھی مر گئے“

(تاریخ الاسلام و المسلمین ص ۷۸)

اور پھر یہ تو معلوم و مشہور اور مسلمہ بات ہے باوجود طرفین کی کوششوں کے صلح نہ ہو سکی یہاں تک سیدنا علیؓ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جب زمام خلافت سیدنا محبوب بننا حسن رضی اللہ عنہ نے سنبھالی پھر صلح ہوئی۔ مسعود صاحب لکھتے ہیں: ”حضرت علیؓ کے بعد حضرت حسنؓ خلیفہ ہوئے۔ خلیفہ ہونے کے کچھ عرصہ بعد وہ ایک بڑے لشکر کے ساتھ حضرت معاویہؓ کی طرف چلے، حضرت عمرو بن عاصؓ نے (جب اس لشکر کو دیکھا تو) حضرت معاویہؓ سے کہا ”میں ایسے لوگوں کو دیکھ رہا ہوں کہ جب تک وہ اپنے حریفوں کو قتل نہ کر لیں پیٹھ نہ پھریں گے..... حضرت معاویہؓ نے دو قرشی آدمیوں کو جن کا تعلق قبیلہ بنو عبد شمس سے تھا اور جن کا نام عبدالرحمن بن سمرہ اور عبداللہ بن عامر تھا بلایا اور ان سے کہا تم جا کر حضرت

حسنؓ سے صلح کی بات چیت کرو اور انہیں صلح کی دعوت دو۔..... ان دونوں نے کہا ”معاویہؓ تو آپ سے صلح چاہتے ہیں اور آپ سے اسی کی درخواست کرتے ہیں..... الغرض حضرت حسنؓ نے حضرت معاویہؓ سے صلح کر لی اور اسی طرح حضرت حسنؓ کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی پوری ہوئی کہ ”اللہ اس کے ذریعہ مسلمین کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کرادے گا“

(تاریخ الاسلام والمسلمین ص ۷۷۸-۷۷۹)

رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان نیز بقول مسعود صاحب: سیدنا علیؓ کا یہ فرمان کہ میں اس کوشش میں لگا رہوں گا یہاں تک کہ لوگ ایک جماعت بن جائیں، واضح طور پر دلالت کرتا ہے کہ سیدنا علیؓ اور سیدنا معاویہؓ رضی اللہ عنہما کے درمیان اختلاف تھا، اور وہ ایک جماعت کی شکل میں نہیں تھے بلکہ دو بڑی جماعتوں میں تقسیم تھے۔

سیدنا معاویہؓ اور ان کے ساتھی جنہیں شرف صحابیت بھی حاصل تھا جیسے سیدنا عمرو بن عاصؓ و سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ رضی اللہ عنہما جن میں سے بعض جمل و صفین میں شہید بھی ہو گئے تھے، تو یہ تمام کے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اپنے امیر خلیفہ راشد سیدنا علیؓ رضی اللہ عنہ سے بالشت برابر نہیں بلکہ پوری طرح سے علیحدہ تھے بلکہ ملک شام میں اپنی امارت قائم رکھی تھی، اسی طرح ان مقدس ہستیوں نے اپنے امیر کی بیعت بھی نہیں کی تو مسعود صاحب اور ان کے فرقہ مسعودیہ کے متفقہ اصول کے مطابق اسلام کو چھوڑے ہوئے تھے اور اسلام سے خارج تھے۔ نعوذ باللہ اور جو اس دوران فوت ہوئے یا شہید ہوئے، نعوذ باللہ وہ جاہلیت یعنی کفر کی موت مرے، چونکہ مسعود صاحب کا اٹل قانون ہے اور ”قانون قانون ہی رہے گا“ (استغفر اللہ) سیدنا عبداللہ بن زبیر اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کی تکفیر:

سیدنا عبداللہ بن زبیر اور ان کے ساتھی دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کا معاملہ بھی اسی طرح ہے چونکہ انہوں نے بھی بیعت نہیں کی تھی، مسعود صاحب لکھتے ہیں:

”حضرت عبداللہؓ کا بیعت سے انکار اور کعبہ کی تعمیر“

جب حضرت یزیدؓ خلیفہ ہوئے تو حضرت ابن زبیرؓ نے بیعت نہیں کی۔ واقعہً اسی سلسلہ کی ایک

کڑی ہے..... (ان حالات میں جبکہ حکومت ایک شخص کے ہاتھ میں نہیں رہی تھی حضرت ابن زبیرؓ نے اُمت کی بہبودی کے خیال سے حکومت خود سنبھالنے کا ارادہ کر لیا، اُنہوں نے حضرت مروانؓ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی اور اسی بنیاد پر) اُنہوں نے حضرت عبدالملکؓ کی بیعت نہیں کی بلکہ اپنی (خلافت کا اعلان کر دیا اور) بیعت لینی شروع کر دی۔“ (تاریخ الاسلام والمسلمین ص ۷۹۸)

اس کے علاوہ مسعود صاحب لکھتے ہیں: ”حضرت یزیدؓ کے زمانہ کا دوسرا اہم واقعہ واقعہ حرہ ہے، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے اپنے خلیفہ ہونے کا اعلان کیا، اہل مدینہ میں سے (بعض لوگوں نے) حضرت یزیدؓ کی بیعت توڑ دی (اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو خلیفہ بنانا چاہا) ابن حنظلہ نے (حضرت یزیدؓ کے خلاف) بیعت لینی شروع کی“ (تاریخ الاسلام والمسلمین ص ۷۹۰)

اس کے علاوہ مسعود صاحب لکھتے ہیں: ”جب حرہ کا واقعہ رونما ہوا (یعنی جب حضرت یزیدؓ کے خلاف بغاوت کا منصوبہ بنایا جا رہا تھا) تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ عبداللہ بن مطیع کے پاس گئے (تاکہ اسے بغاوت سے باز رکھیں)“ (تاریخ الاسلام والمسلمین ص ۷۹۰)

یہ ابن حنظلہ، سیدنا عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ صحابی ہیں ”لہ رؤیة..... استشهد عبداللہ یوم الحرة“ واقعہ حرہ میں شہید ہوئے۔ (تقریب التہذیب: ۳۲۹۶)

اور سیدنا عبداللہ بن مطیع بن الاسود بن حارثہ القرشی رضی اللہ عنہ بھی صحابی ہیں۔

حافظ ابن حجر العسقلانی نے کہا: ”لہ رؤیة وکان رأس قریش یوم الحرة، أمرہ ابن الزبیر علی الکوفة“ یوم حرہ کو قریش کے سربراہ تھے، ابن الزبیر (رضی اللہ عنہ) نے انہیں کوفہ کا امیر بنایا تھا۔ (تقریب التہذیب: ۳۶۳۷)

ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا عبداللہ بن زبیر، سیدنا عبداللہ بن حنظلہ، سیدنا عبداللہ بن مطیع رضی اللہ عنہم اور اہل مدینہ اپنے امیر سے بھی علیحدگی اختیار کر چکے تھے اور اس کی بیعت بھی نہیں کی تھی اور اسی حالت میں شہید ہوئے۔ مسعود صاحب کے ان دو باطل اصولوں کی روشنی میں یہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم (نعوذ باللہ) اسلام چھوڑ کر اسلام سے خارج ہو گئے اور جاہلیت یعنی کفر کی موت مرے۔ (نعوذ باللہ)

مسعود صاحب اور ان کی پارٹی کے اصولوں اور تحریروں سے درج بالا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اپنے امیر سے، جماعت سے علیحدہ ہونا اور بیعت نہ کرنا ثابت ہوتا ہے۔ اور یہ تو مسعود صاحب واضح طور پر لکھ چکے ہیں کہ ”بیعت نہ کرنے کی وجہ سے حضرت عبادہ بن صامتؓ جاہلیت کی موت کیوں نہ مرے؟ کیا ان کے لئے اللہ کا قانون بدل جائے گا؟“ (الجماعۃ ص ۲۰-۲۱)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ ان کے ہاں بیعت نہ کرنے کی بنا پر درج بالا تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جاہلیت یعنی کفر کی موت مرے۔ (نعوذ باللہ)

مسعود صاحب، اشتیاق صاحب اور ان کی رجسٹرڈ پارٹی کی ان خرافات کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کے بعض جلیل القدر صحابہ کا کچھ مدت کے لئے یا مستقل طور پر کافر ہونا لازم آتا ہے۔ (نعوذ باللہ)

اب دیکھنا یہ ہے کہ صحیح اور درست موقف کیا ہے؟ کیا جاہلیت سے مراد کفر ہے؟ ہمارا موقف یہ ہے کہ ان احادیث میں ”جاہلیت“ سے مراد کفر نہیں بلکہ ”جاہلیت کے دور“ کا مطلب نبی مکرم ﷺ کی نبوت سے پہلے والا زمانہ مراد ہے۔ اور کئی احادیث میں اس لفظ کا استعمال محض اس دور کے لئے بکثرت ہوا ہے۔ مثلاً:

۱: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ”کان عاشوراء یوم تصومه قریش فی الجاہلیۃ“
عاشوراء ایسا دن تھا کہ قریش دور جاہلیت میں اس کا روزہ رکھا کرتے تھے۔

(صحیح بخاری: ۳۸۳۱)

۲: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ایک غلام تھا..... ایک بار وہ کوئی چیز لایا تو ابوبکر نے بھی اس میں سے کھایا، غلام نے ان سے کہا آپ کو معلوم ہے کہ یہ کہاں سے آیا؟ انہوں نے کہا: بتاؤ کہاں سے آیا؟ غلام نے کہا:

”كنت تكهن لانسان فی الجاہلیۃ“

کہ میں نے جاہلیت میں کسی انسان کے لئے کہانت کی تھی اس نے مجھے اس کے بدلے یہ دیا..... الخ (صحیح بخاری: ۳۸۳۲) [باقی آئندہ شمارے میں۔ ان شاء اللہ]

اعظم المبارکی

احسن الحديث

بغير احسان جتائے انفاق فی سبیل اللہ کا اجر

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ لَا يُتَّبَعُونَ مِمَّا انْفَقَوْا مَنًّا وَلَا أَذًى لَا لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر نہ احسان جتاتے ہیں اور نہ دُکھ دیتے ہیں، ان لوگوں کا اجر ان کے رب کے پاس ہے، انھیں نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ (البقرہ: ۲۶۲)

فقہ القرآن:

- ☆ اللہ تعالیٰ کے راستے میں (خالص اللہ کی رضا کے حصول کی خاطر) خرچ کرنا بڑے ثواب کا کام ہے اور اس سے دولت میں کمی کے بجائے اضافہ ہوتا ہے۔
- ☆ ہر آدمی کو اس کی نیت کے مطابق اجر ملتا ہے، بعض لوگوں کو ایک نیکی کے بدلے میں سات سو نیکیوں تک ثواب ملتا ہے۔ دیکھئے سورۃ البقرۃ (۲۶۱)
- ☆ مذکورہ آیت کی تفسیر میں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں کی مدح و تعریف کرتا ہے جو خیرات و صدقات کرتے ہیں اور پھر جسے دیتے ہیں اس پر احسان جتانے نہیں بیٹھتے، نہ تو اپنی زبان سے نہ اپنے فعل سے..... (تفسیر ابن کثیر ۴/۳۳۴، مترجم)
- ☆ نیکی کر کے احسان جتانے والوں اور ایذا پہنچانے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی اجر نہیں ہے بلکہ ان کی نیکیاں بھی رائیگاں جاتی ہیں۔
- ☆ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تین آدمیوں سے نہ بات کرے گا، نہ ان کی طرف (نظرِ رحمت سے) دیکھے گا، نہ ان کو پاک کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے: ① اِذَا رَكُوزُكَانَ وَالَا ② احسان کر کے جتانے والا اور ③ جھوٹی قسم کھا کر مال فروخت کرنے والا۔ (دیکھئے صحیح مسلم: ۱۰۶۰، ملخصاً)

ابومعاذ

حافظ ابن الجوزی اور تقلید کا رد

ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب قبر میں سوال ہوتا ہے کہ تُو اس آدمی محمد ﷺ کے بارے میں کیا کہتا تھا؟ تو کافر یا منافق جواب دیتا ہے: ”كنت أقول ما يقول الناس“ میں تو وہی کہتا تھا جو لوگ کہتے تھے۔ پھر اسے کہا جاتا ہے: ”لا دريت و لا نليت“ تُو نے نہ تو (اپنی عقل سے) کچھ سمجھا اور نہ پیروی کی۔ (صحیح بخاری: ۱۳۳۸)

اس حدیث کی تشریح میں علامہ ابن الجوزی نے لکھا ہے: ”فيه دليل على تحريم التقليد في أصول الدين و أنه ينبغي للعاقل أن يكون عارفاً بما يعتقده على يقين من ذلك، لا يقلد فيه أحداً فإن المقلد كالأعمى يتبع القائد“

اس (حدیث) میں دلیل ہے کہ اُصولِ دین میں تقلید حرام ہے، اور عاقل کو چاہئے کہ وہ جو عقیدہ رکھتا ہے، یقین کے ساتھ اس کی معرفت رکھے، اس میں کسی کی تقلید نہ کرے کیونکہ مقلد تو اندھے کی طرح ہوتا ہے جو اپنے گائیڈ کے پیچھے چلتا ہے۔

(کتاب المشكل من حديث الصحيحين ج ۱ ص ۸۳۳، المكتبة الشاملة)

اس عبارت میں حافظ ابن الجوزی نے مروجہ تقلید کا زبردست رد کیا ہے اور بطورِ خیر خواہی عرض ہے کہ جب اُصولِ دین میں تقلید حرام ہے تو پھر فروعِ دین میں تقلید کس طرح جائز ہو سکتی ہے؟ مسلمانوں کو چاہئے کہ ابن الجوزی (متوفی ۵۹۷ھ) کی اس تشریح کو مضبوطی سے پکڑیں اور ہر قسم کی تقلید سے اجتناب کر کے کتاب و سنت اور اجماع کے راستے پر سلف صالحین اور صحیح العقیدہ علماء کے فہم کی روشنی میں گامزن رہیں۔ ان شاء اللہ ہمیشہ کامیاب رہیں گے۔ ہمارے علم کے مطابق کسی ایک مستند عالم نے بھی یہ نہیں کہا کہ لوگو! ائمہ اربعہ میں سے ایک امام کے مقلدین بن جاؤ، بلکہ سب علماء تقلید سے قولاً یا فعلاً دُور رہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے سلف صالحین اور تقلید (الحديث: ۷۵-۷۶)